ماہنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

February 2026





وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میر پوری رحمہ اللہ

Vol: 46 No. 04 February 2026

Shaban/ Ramzan1447 AH

جلد: 46 شمارہ: 04 فروری2026ء

شعبان/رمضان: 1447ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRATE-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ
Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK
www.mjah.org.uk/siratemustaqeem
E-mail: info@mjah.org.uk



شعبان تیاریٔ رمضان کا مہینہ

الحمدللہ، ماہ مقدس رمضان کی آمد آمد ہے، یہ مبارک مہینہ خیر وبرکت اور اجر وثواب کمانے کے لیے موسم بہار کی حیثیت رکھتا ہے، آج کے اس دور پر فتن میں بھی ماہ مقدس کی آمد کے ساتھ ہی مسلم دنیا میں ایمان و عمل کی بہار دکھائی دینے لگتی ہے، گناہوں اور معاصی سے آلودہ لوگوں میں بھی تقوی اور پرہیز گاری کے آثار محسوس کئے جاسکتے ہیں، جو لوگ کسی عذر شرعی یا قلت تقوی کی وجہ سے روزے نہ رکھتے ہوں مگر ایمانی جھونکوں کے کچھ نہ کچھ اثرات ان تک بھی پہنچتے ہیں، کم از کم ظاہری طور پر وہ بھی روزہ داروں کی نقل کرتے دکھائی دیتے ہیں، پبلک مقامات میں کھانے پینے اور معاصی سے اجتناب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ موسم بہار جس کی راتیں بھی مبارک اور دن بھی خیر وبرکت سے پر، اس سے بھر پور فائدہ اٹھانے کے لئے تیاری اور مناسب پلاننگ چاہیے تاکہ آنے والا رمضان سال گذشتہ سے بہتر ثابت ہوسکے، اس کے لیے مکمل تیاری کے ساتھ اس میں داخل ہونا ہوگا، رسول اکرم ﷺ اسی ماہ شعبان میں کثرت سے روزے رکھا کرتے اور دوسروں کو ترغیب دیا کرتے:

" لم يكن النبي ﷺ يصوم شهراً أكثر من شعبان " (صحیح بخاری: ر1970؛ صحیح مسلم: 782)

اگر کوئی شخص مسنون طریقہ سے ماہ شعبان گزارے تو اس سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ رمضان کے فیوض وبرکات سے بھی وافر حصہ حاصل کرسکے گا، ورنہ جو پہلے سے اہتمام اور پلاننگ نہ کرے وہ ماہ مبارک کی برکتوں سے کماحقہ مستفید نہیں ہوسکتا۔

ویسے بھی رمضان اس حالت میں دستک دے رہا ہے کہ بہت سے دوستوں اور احباب کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستی ہیں، جو کبھی خاندان اور محفل کی شان ہوا کرتے جو مساجد اور مجالس کی جان سمجھے جاتے وہ آج آسودہ خاک ہیں، اتنی اموات کہ موت کی خبر سے انسیت سی ہونے لگی کہ ہر دن گویا کسی کی وفات کی نئی خبر!

اسی حقیقت کی طرف ہمیں متنبہ کیا گیا کہ لوگوں کے حساب کی گھڑی قریب آ پہنچی لیکن وہ منہ موڑ کر خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں :

﴿اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ﴾(سورۃ الانبیاء:1)

مختلف حیلے بہانے کاروباری مصروفیات، جاب کے تقاضے اور معاشی ذمہ داریاں وغیرہ وغیر، ہمیں رمضان میں بھی اضافی عبادات سے روکے رکھتی ہیں، دیکھا گیا کہ ان مشاغل کے سبب ہمیں وقت ہی نہیں ملتا کہ اپنے دامن کو نیکیوں سے بھر سکیں، جبکہ فرمان نبوی ﷺ ہے کہ تم دنیا کی زندگی ایسے بسر کرو جیسے ایک مسافر سر راہ کسی جگہ کچھ دیر ستانے کے لیے رکتا ہے، پھر وہاں سے تازہ دم ہوتے ہی آگے چل پڑتا ہے، وہ اس عارضی اسٹیشن کو اپنی منزل نہیں سمجھتا۔ اسی طرح یہ دنیا بھی مومن کی منزل نہیں، اصل ٹھکانا آخرت کا ہے۔

«كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ» (صحیح بخاری: 6416)

دنیا کی ضروریات ختم ہونے والی نہیں، آدمی کو فرمان نبوی ﷺ کی روشنی میں آخرت کے بنانے اور سنوارنے کی فکر زیادہ کرنی چاہئے۔ دنیا کا گزارہ تو یوں بھی ہوسکتا ہے کہ صبح آنکھ کھلے تو گردونواح کا ماحول پر امن ہو، جسم تندرست ہو اور گھر میں ایک دن کی غذا میسر ہو تو گویا دنیا سے وافر حصہ تمہیں مل گیا۔

«من اصبح منكم آمنا في سربه معافى في جسده عنده قوت يومه فكأنما حيزت له الدنيا بحذافيرها »(جامع ترمذی: 2346)

ہمیں نہیں معلوم کہ اس حیات مستعار کے کتنے دن باقی رہ گئے، ہم نے بہت سوں کی سفر آخرت پر روانگی کی اطلاع دی، اور اب کون ہماری اطلاع کب دینے والا ہے، اس ماہ مقدس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔

رمضان میں روزہ کے علاوہ انفرادی عبادت کی زیادہ اہمیت ہے، رسول اکرم ﷺ ماہ مبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے، یعنی اپنی دیگر مصروفیات اور مشاغل کو روک کر مکمل یکسوئی کے ساتھ مسجد میں فروکش ہوتے، ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی کام دینی دائرہ سے خارج نہیں تھا، لیکن خود کو مسجد میں محصور کرلینے کا مطلب یہ ہے کہ دینی کام بھی ضرورت اور حالات کے مطابق ترجیحی بنیادوں پر انجام دیئے جانے چاہیئے۔ یہ مبارک مہینہ نزول قرآن کا مہینہ ہے، رسول اکرم ﷺ اسی ماہ میں سید الملائکۃ جبریل امین کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے، لہٰذا قرآن مجید کی تلاوت کا خاص اہتمام ہونا چاہیے، قرآن مجید کی تلاوت اور سماعت دونوں کی اہمیت ہے، چونکہ یہ کتاب ہدایت ہے اس

ہدایت نامہ ربانی کا تقاضہ ہے کہ اس کی تعلیمات سے آشنا ہوں اور بیان کردہ ہدایات کے مطابق زندگی کو ڈھالیں۔ ورنہ یہ مقدس کتاب صرف تبرک بن کر رہ جائے گی۔ اس لیے کچھ وقت تلاوت کے لئے اور کچھ وقت سماعت کے لیے اور کچھ وقت فہم قرآن کے لیے نکالا جائے۔ یہ مبارک مہینہ دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور غمخواری کا ہے، اپنے مال کا ایک حصہ ذخیرہ آخرت بنانے کے لیے ان محروم اور تنگدستوں کی مدد کے لیے نکالیے۔ اللہ تعالی اس ماہ کو مبارک بنائے اور آنے والے مہینہ کی سعادتیں صحت و سلامتی کے ساتھ نصیب کرے اور اپنی جھولیوں کو نیکیوں سے بھرنے کی توفیق بخشے۔

☆☆☆

استقبال رمضان

مسلمانو! اٹھو اب ماہ رمضاں آنے والا ہے
کرو تیاریاں روزوں کی شعبان جانے والا ہے
کرو رمضاں کا استقبال تم بے حد مسرت سے
کرو روزوں کا استقبال تم سچی محبت سے
عبادت کا مہینہ ہے کریں اس میں عبادت ہم
سخاوت کا مہینہ ہے کریں اس میں سخاوت ہم
کرو تم ذہن و دل کو پاک پاکیزہ مہینہ ہے
منور کرلو ظاہر اور باطن گر قرینہ ہے
ہر ایک لمحہ غنیمت ہے خزانہ جمع کر لیجئے
مہینہ صبر کا ہے غصہ قلعہ قمع کر لیجئے
مسلمانو! کرو رمضان کی روحانی تیاری
بہ الفاظ دگر جسمانی و نورانی تیاری
مہینہ یہ قرآں کا تلاوت کیجیے قرآں کی
مہینہ ہے یہ تقوے کا یہ ہے پہچان رمضاں کی
ہے شہر احتساب اس میں کریں ہم احتساب اپنا
نجاتِ اخروی کے واسطے کرلیں حساب اپنا
اسی میں ہم زکوۃ وصدقہ و عطیات دیتے ہیں
جو دیتے ہیں کسی کو واسطے حسنات دیتے ہیں
سحر ، افطار کرتے ہیں مساکین اور فقراء بھی
ہے منظر روح پرور کیا کبھی لوگوں نے سوچا بھی
بہت خوش ہو کے بچے بھی ہمارے روزے رکھتے ہیں
ہر اک سے آگے بڑھنے کی مسلسل سعی کرتے ہیں
قیام اللیل سے جب مسجدیں بقعہ سی لگتی ہیں
بہ وقتِ فطر واللہ نور کا حالہ سی لگتی ہیں
خدا شاہد ہے بڑھ جاتی ہیں اس میں رونقیں بے حد
کہ ہو جاتی ہیں ہر مومن کے دل میں عظمتیں بے حد
سبھی بچتے ہیں کھانے پینے سے اور خواہشوں سے بھی
برائی کے ہراک پہلو سے بدتر عادتوں سے
بہ کثرت توبہ استغفار کرتے ہیں گناہوں سے
دلوں میں نور رہتا ہے دعاؤں اور آہوں سے
یقیناً ہے مہینہ برکت و غفران کا لوگو
شیاطینِ لعیں کے واسطے زندان کا لوگو
ہے رکھتا آخری عشرہ بھی اس کا اجر بے پایاں
شب قدر اس میں ہے جس پر ہزاروں ماہ ہیں قرباں
دعاؤں کا مہینہ ہے کرو اس میں دعائیں تم
برائے مغفرت کرتے رہو ہر وقت آہیں تم
برائے امت مرحوم بھی اس میں دعا کیجئے
بڑی پابندی سے یہ کام بھی صبح و مساء کیجئے
خوشی میں ماہِ رمضاں کی ہے مثال بندۂ ثاقب
کرم ہے تیرا بے پایاں میری تقدیر کے کاتب!

ڈاکٹر عبدالرب ثاقب

☆☆☆

شعبان المعظم

شعبان ہجری سال کا آٹھواں مہینہ ہے۔ لفظ شعب اس وقت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں علیحدگی اختیار کی جاتی ہو۔ اہل عرب اس ماہ میں پانی کی تلاش میں دور نکل جاتے تھے اور انھیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا پڑتا تھا۔ شعبان کو مکرم بھی کہا جاتا ہے۔ شعبان کی پندرہویں شب کو عرف عام میں شب برأت بھی کہا جاتا ہے۔ اسلام سے نابلد بعض مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اس رات میں گناہ بخشے جاتے ہیں، عمریں بڑھائی جاتی ہیں، روزی میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اسی لیے بعض مسلمان رات جاگ کر بلند آواز سے دعائیں کرتے ہیں۔ ان دعاؤں کو لوگوں نے از خود گڑھ لیا ہے۔ قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور روشنی وچراغاں کرتے ہیں، حلوہ بناتے ہیں اور قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں۔ بیوہ عورت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ اس کے شوہر کی روح پندرہویں شعبان کی رات میں آتی ہے، اس لیے اس کے واسطے پسندیدہ کھانا پکاتی ہے۔ بعض علماء اس رات کے لیے شب قدر جیسی فضیلتیں بیان کرتے ہیں اور لوگوں کے ذہن میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ شب قدر میں جس روح کے نزول کا ذکر قرآن مجید میں ہے اس سے مراد مُردوں کی روحیں ہیں۔ اس رات میں یہ لوگ شب بیداری کرتے، مسجدوں میں جمع ہو کر رات بھر نوافل پڑھتے اور اس رات قبروں کی زیارت کرتے ہیں۔ واعظین اس شب کی فضیلت میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں: قُوْمُوْا لَیْلَہَا وَصُوْمُوْا نَہَارَہَا۔ یعنی اس رات میں نوافل پڑھو اور دن میں روزہ رکھو۔

پندرہویں شعبان کی رات کے بارے میں دو نظریے پائے جاتے ہیں جن کا اثر آج انتہائی عروج پر ہے۔ شام و بصرہ کے تمام تابعین اور عباد و زہاد اس رات اجتماعی طور پر مسجدوں میں جاگنا، اچھے کپڑے پہننا، خشوع و خضوع کے ساتھ بکثرت عبادت کرنا مستحب سمجھتے تھے اور خود بھی اس پر کاربند ہوتے تھے۔ اس ضمن میں خالد بن معدان مکحول اور لقمان بن عامر کا نام بطور خاص آتا ہے جب کہ شام کے شہرۂ آفاق عالم اوزاعی اور دوسرے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ امور اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی طور پر درست ہیں۔ اس کے بر خلاف علمائے حجاز و فقہائے مدینہ پندرہویں شعبان کی رات کی بابت وارد ساری حدیثوں کو ضعیف موضوع اور اس رات مذکورہ بالا اعمال کو بدعت قرار دیتے ہیں۔(اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ: 2/ 126)



ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا﴾ (سورۃ الاحزاب:69)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اُن لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جنھوں نے موسیٰؑ کو اذیتیں دی تھیں، پھر اللہ نے ان کی بنائی ہوئی باتوں سے اس کی برأت فرمائی اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھا۔"

قارئین کرام ہم سورہ احزاب کا جب گہرائی کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بدنصیبوں اور بدبختوں کے بداعمالیوں کا ذکر کیا ہے جو نبی مکرم ﷺ کو اپنے اعمال خبیثہ وناز یبا اقوال سے اذیت پہنچاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ظاہری طور پر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کی اصلیت بھی اس سورہ میں کھل کر سامنے آئی، غرضیکہ جو کچھ بھی کوفت (مرض نفاق میں مبتلا لوگوں کی طرف سے) آپؐ اور اہل ایمان کو اٹھانی پڑی ان سب کا ذکر ہمیں اس میں ملتا ہے۔ اور ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ اہل ایمان نے حق وباطل کی معرکہ آرائی میں کس طرح شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا اور اپنے ایمان کی روشنی میں آگے ہی آگے بڑھتے رہے اور اسلام سے سچی وابستگی اور والہانہ محبت کی برکت نے انہیں دشمن کے لشکر جرار کو خاطر میں نہ لانے کا حوصلہ پیدا کر دیا۔

نبی کریم ﷺ کے سچے ساتھی، صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین نے ہر آزمائش کے موقع پر اپنے وعدوں کو سچ کر دکھایا۔ غرضیکہ آیت کریمہ میں اس بات کا ذکر بھی ہمیں ملتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہونے والے ہیں۔ صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی انہیں اللہ کی رحمت سے محروم ہونا پڑے گا اور رسوا کن عذاب بھی انہیں دیا جائے گا۔

اب آیت 69 میں ایک دوسرے انداز سے نبی کریم ﷺ کی قدر و منزلت بتانے اور لوگوں کو عام تعلیم دیتے ہوئے حضرت سیدنا موسیٰؑ کے حوالے سے یہ بات بتلا کر تنبیہ کیا جارہا ہے کہ تم بنی اسرائیل کی طرح نہ بن جاؤ جنھوں موسیٰ علیہ السلام کو ستایا ہے۔

چنانچہ فرمان حق تعالیٰ یوں ہوا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا﴾

"اے ایمان والو! نہ بن جانا اُن (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ کو ستایا۔ پس بری کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سے جو انہوں نے کہا، اور آپ اللہ کے نزدیک بڑی شان والے تھے۔"

پیغمبر وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کی اللہ تعالیٰ عزوجل سے ناشکری اور اپنے نجات دہندہ، رہنماو راہبر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ناقدری کی پوری داستان قرآن حکیم میں ہمیں ملتی ہے۔ حالانکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا نبی (من اللہ) جانتے ہوئے بھی ہر طرح سے تنگ کیا تھے۔ علامہ پیر کرم شاہ ازھری رحمہ اللہ نے مذکورہ آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے یوں رقم طراز ہوئے:

"اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تم بنی اسرائیل کی روش اختیار کرکے میرے محبوب کی دل آزاری نہ کرنا ورنہ تم کو اس گستاخی کی ایسی سزا ملے گی جس سے نجات کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جس سے نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچے، وہ قطعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی صفات کمال کا انکار، حضور کی ذات اقدس واطہر پر بہتان باندھنا، اللہ تعالیٰ نے حضور کو جن کمالات سے سرفراز فرمایا ہے، ان کا انکار کرنا، حضور کے دین اور شریعت کے قوانین کو ناقابل عمل کہنا۔ حضور کی آل اطہار پر معترض ہونا (آل اطہار کی توضیح تفہیم القرآن میں سورہ احزاب کی آیت 56 کے تحت میں دیکھی جاسکتی ہے جو بہت عام فہم اور دلنشیں بھی ہے) حضور کے صحابہؓ پر زبان لعن دراز کرنا، یہ سب ایسے امور ہیں جن سے حضور کے قلب مبارک کو تکلیف پہنچتی ہے۔ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے (ضیاالقرآن جلد چہارم صفحہ 100) جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ بنی اسرائیل کی ناشکری و ناقدری کی داستان بڑی طویل ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اپنے رسول کی نافرمانی سے لبریز تاریخ رقم کی ہے۔ قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ہمیں یہ بات بڑی تفصیل سے ملتی ہے کہ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو اللہ کا نبی اور اپنا محسن جانتے ہوئے بھی بنی اسرائیل نے آپؑ کو کس کس طرح سے تنگ کیا اور کیسی کیسی بے وفائیاں کیں۔ اس کی تفصیل میں جانے سے قبل خود حضرت موسیٰؑ کی زبانی بتایا گیا کہ اے میری قوم کے لوگو تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو، اس سلسلہ میں سورہ الصف کی آیت 5 اس بات کی گواہی پیش کر رہی ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ﴾

"اور یاد کرو موسیٰ کی وہ بات جو انہوں نے اپنی قوم سے کہی تھی کہ "اے میری قوم کے لوگو، تم کیوں مجھے اذیت دیتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس بیان سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انبیاء کو دکھ دینا اور ایذا پہنچانا یہود کی عادت خبیثہ رہی ہے جس کا اظہار حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے درد انگریز الفاظ کے ذریعہ فرمارہے ہیں۔ بنی اسرائیل کی پے درپے نافرمانیاں اور اپنے رسول کو ہر موقع پر دکھ پہنچانے کے واقعات کو سمجھنے کیلئے درج ذیل آیات کو نگاہ میں رکھیئے جس کی یہاں صرف ترجمانی پیش کی جاتی ہے:

1۔یاد کرو جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو چالیس شبانہ روز کی قرار داد پر بلایا ، تو ان کے پیچھے تم بچھڑے کو اپنا معبود بنا بیٹھے۔ اس وقت تم نے بڑی زیادتی کی تھی، مگر اس پر بھی ہم نے تمہیں معاف کر دیا کہ شاید اب تم شکر گذار بنو۔ یاد کرو (ٹھیک اسی وقت جب تم یہ ظلم کر رہے تھے)

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور فرقان عطا کی تاکہ تم اس کے ذریعہ سے سیدھا راستہ پاسکو۔

1۔ یعنی مصر سے نجات پانے کے بعد جب بنی اسرائیل جزیرہ نمائے سینا میں پہنچ گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چالیس شب و روز کے لئے کوہ طور پر طلب فرمایا تاکہ وہاں اس قوم کے لیے، جو اب آزاد ہو چکی تھی، قوانین شریعت اور عملی زندگی کی ہدایات عطا کی جائیں۔

2۔ فرقان سے مراد ہے وہ چیز جس کے ذریعہ سے حق اور باطل کا فرق نمایاں ہو یعنی دین کا وہ علم اور فہم جس سے آدمی حق اور باطل میں تمیز کرتا ہے۔

3۔یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام یہ نعمت لیے ہوئے پلٹے، تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ”لوگو، تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اُوپر سخت ظلم کیا ہے، لہٰذا تم لوگ اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو اسی میں تمہارے خالق کے نزدیک تمہاری بہتری ہے،،۔ اس وقت تمہارے خالق نے تمہاری توبہ قبول کرلی کہ وہ بڑا معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے۔

4۔ یعنی اپنے ان آدمیوں کو قتل کرو جنھوں نے گوسالہ کو معبود بنایا اور اس کی پرستش کی۔

” یاد کرو جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم تمہارے کہنے کا ہر گز یقین نہ کریں گے، جب تک کہ اپنی آنکھوں سے علانیہ خدا کو (تم سے کلام کرتے) نہ دیکھ لیں۔ اس وقت تمہارے دیکھتے دیکھتے ایک زبردست کڑکے نے تم کو آلیا۔ تم بے جان ہو کر گر چکے تھے، مگر پھر ہم نے تم کو جِلا اُٹھایا، شاید کہ اس احسان کے بعد تم شکر گزار بن جاوٴ۔“ (سورۃ البقرہ: 51-56)

یاد کرو، جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کیلئے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا کہ فلاں چٹان پر اپنا عصا مارو۔ چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر قبیلے نے جان لیا کہ کون سی جگہ اس کے پانی لینے کی ہے۔(اس وقت یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاوٴ پیو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔۔۔!

”بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ خدا نے ہر ایک قبیلے کے لئے الگ چشمہ نکال دیا تاکہ ان کے درمیان پانی پر جھگڑا نہ ہو۔“ (سورۃ البقرہ: 60)

5۔ پھر وہ واقعہ یاد کرو، جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کہنے لگے کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں کی سی باتیں کروں۔ بولے اچھا، اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ ہمیں اس گائے کی کچھ تفصیل بتائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ ایسی گائے ہونی چاہیے جو نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا بلکہ اوسط عمر کی ہو۔ لہٰذا جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرو۔ پھر کہنے لگے اپنے رب سے یہ اور پوچھ دو کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰؑ نے کہا وہ فرماتا ہے زرد رنگ کی گائے ہونی چاہیے، جس کا رنگ ایسا شوخ ہو کہ دیکھنے والوں کا جی خوش ہو جائے۔ پھر بولے اپنے رب سے صاف صاف پوچھ کر بتاؤ کیسی گائے مطلوب ہے، ہمیں اس کے تعین میں اشتباہ ہو گیا ہے، اللہ نے چاہا تو ہم اس کا پتہ پالیں گے۔ موسیٰؑ نے جواب دیا اللہ کہتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی، نہ زمین میں جوتی ہے نہ پانی کھینچتی ہے، صحیح سالم اور بے داغ ہے۔ اس پر وہ پکار اٹھے کہ ہاں، اب تم نے ٹھیک پتہ بتایا ہے پھر انھوں نے اسے ذبح کیا، ورنہ وہ ایسا کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔

5۔ چونکہ بنی اسرائیل کو اہل مصر اور اپنی ہمسایہ قوموں سے گائے کی عظمت و تقدیس اور گاؤ پرستی کے مرض کی چھوت لگ گئی تھی اور اسی بنا پر انہوں نے مصر سے نکلتے ہی بچھڑے کو معبود بنالیا تھا، اس لئے ان کو حکم دیا گیا کہ گائے ذبح کریں۔ انھوں نے ٹالنے کی کوشش کی اور تفصیلات پوچھنے لگے۔ مگر جتنی جتنی تفصیلات وہ پوچھتے گئے اتنے ہی گھرتے چلے گئے یہاں تک کہ آخر کار اسی خاص قسم کی سنہری گائے پر جسے اس زمانے میں پرستش کے لئے مختص کیا جاتا تھا گویا انگلی رکھ کر بتادیا گیا کہ اسے ذبح کرو۔ (سورہ البقرہ: 67 تا70)

اور اسی طرح بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور اپنے انبیاء کے قتل کرنے کا ذکر سورہ النساء میں ہمیں یوں ملتا ہے، جو نبی ﷺ سے خطاب فرماتے ہوئے کہا گیا۔

6۔ اے نبی ﷺ، یہ اہل کتاب اگر آج تم سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ تم آسمان سے کوئی تحریر اُن پر نازل کراؤ تو اس سے بڑھ چڑھ کر مجرمانہ مطالبے یہ پہلے موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے ہیں۔ ان سے تو انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو علانیہ دکھادو اور اسی سرکشی کی وجہ سے یکایک ان پر بجلی ٹوٹ پڑی تھی۔ پھر انھوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا، حالانکہ یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھ چکے تھے۔

اس پر بھی ہم نے ان سے درگزر کیا۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو صریح فرمان عطا کیا، اور ان لوگوں پر طور کو اٹھا کر ان سے (اُس فرمان کی اطاعت کا) عہد لیا۔ (سورۃ النساء: 153۔ 154، ترجمانی آیات)

(جاری)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورة آل عمران: 31)

ہمارے دین اسلام میں، عمل صالح، یعنی اچھا کام اور اچھا عمل کون سا ہے؟ وہ جو اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے۔ اس میں دکھاوا نہ ہو، ریا نہ ہو۔ ایمان کی حالت میں کیا جائے، دوسری شرط بلکہ پہلی شرط ایمان ہے، اس کے بعد اخلاص ہے اور تیسری ضروری شرط یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی سنت کے، آپ کے طریقے کے مطابق ہو۔ سنت کے خلاف اور سنت سے ہٹا ہوا عمل، اچھے اعمال میں اور قابل قبول اعمال میں شامل نہیں ہوتا۔

دو چیزیں ، دو الفاظ سمجھ لینے چاہئیں۔ ایک ہے اطاعت اور ایک ہے اتباع۔ اطاعت کسے کہتے ہیں؟ بات ماننا، فرمانبرداری کرنا، جو حکم ہو اس کی تعمیل کرنا اور اتباع میں حکم والی بات نہیں ہوتی۔ نقل کرنا، پیروی کرنا، اتباع ہوتی ہے، کسی کے عمل کے نمونے کی پیروی کرنا، اس کے پیچھے لگنا، اس کی طرح کا عمل کرنے کی کوشش کرنا، یہ اتباع ہے۔

آج جو آیت خطبۂ مسنونہ کے ساتھ میں نے پڑھی ہے۔ اس میں اسی اتباع کا ذکر ہے۔ اور اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اس کا حکم بھی ہے، اس کی فضیلت بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ کو اللہ کی طرف سے حکم ہوا۔ آپ اعلان کر کے کہہ دیں اور فرمادیں کہ

﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورۃ آل عمران:31)

اگر تم بحیثیت مؤمن و مسلمان اللہ پر یقین ایمان رکھنے کے ساتھ، اس سے گہری محبت اور گہرا تعلق بھی رکھتے ہو، اگر تمہارا رب سے، ایمان والا محبت والا تعلق ہے، تو اس کا ثبوت یہ ہونا چاہیے کہ تم میری یعنی اس رسول کی، اس نبی کی اتباع کرو۔

اتباع کا نتیجہ کیا ہوگا؟ پھر تم یک طرفہ اللہ سے محبت کرنے والے نہیں ہوگے بلکہ وہ بھی تم سے محبت کرے گا۔ وہ تمہیں اپنا پیارا بندہ بنا دے گا اور یہ بہت بڑی چیز ہے، بہت بڑا انعام ہے، کسی بندے کے لیے کہ اللہ اس کو اپنا پیارا بندہ کہے۔

دوسرا فائدہ اور دوسرا انعام اتباع کا کیا ہے؟ جب تم اس کے پیارے ہو گئے تو وہ تمہاری غلطیاں بھی معاف کر دے گا، کوتاہیاں، غلطیاں اور گناہ بھی معاف ہو جائیں گے، اس لیے کہ وہ تو ہے ہی بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا، تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اتباع کی تعلیم دی اور تلقین کی اور اس کا فائدہ بھی بتا دیا بلکہ دو فائدے بتا دیئے۔ اللہ کی محبت کا حاصل ہونا اور گناہوں کا معاف ہو جانا۔ یہ اتباع کی بات ہے، تاکید اطاعت کی بھی کی گئی ہے۔ اس کا بھی ذکر ہے، قرآن پاک میں ہے:

﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾(سورۃ النساء:80)

جو اللہ کے رسول کی بات مانتا ہے، وہ اصل میں کس کی بات مانتا ہے؟ وہ اللہ کی بات مانتا ہے کیونکہ آپ کی بات اور اللہ کی بات ایک ہے۔ ذات مختلف ہے، بات ایک ہے۔

اسی اطاعت کی مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (سورة محمد: 33)

اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو، برباد نہ کرو۔ کیا مطلب؟ یہ کہ اللہ رسول کی اطاعت سے ہٹے ہوئے عمل کرو گے تو برباد ہوگے، کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اتباع کس کا طریقہ ہے؟ مومنوں کا، مسلمانوں کا، اطاعت بھی اور اتباع بھی۔ جو نہ کرے، جو آپ کی اتباع کرنے کی بجائے، آپ کے نمونے کی پیروی اور نقل کرنے کی بجائے کسی اور کو اپنا نمونہ بنا لے۔ دوسرے لفظوں میں کسی اور کو اپنا رہنما بنالے۔ اس کا فیصلہ بھی قرآن نے کیا ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (سورة النساء: 115)

جو اللہ کے رسول کی مخالفت کرتا ہے، اطاعت کی بجائے مخالفت کرتا ہے۔ آپ کے حکم سے ہٹ کر چلتا ہے۔ وہ مؤمنوں کی راہ سے بھی ہٹ جاتا ہے۔ مؤمن کی راہ، مؤمنوں کی راہ کیا ہے؟ نبی کی اتباع اور اطاعت کرنا۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ اسے پھر ہم اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کو پھر ہدایت نہیں ملتی۔ اس کے ساتھ اللہ کی نصرت، مدد اور ہدایت نہیں ہوتی۔ جدھر جاتا ہے، اللہ کہتا ہے، جاؤ، دفع ہو جاؤ۔ جہاں جاتے ہو، جدھر جاتے ہو جاتے

رہو۔ پھر اللہ اپنی راہ کی طرف اسے کھینچ کر لانے کی طرف توجہ نہیں کرتا کہ یہ باغی ہو گیا ہے تو پھر رہے بغاوت کے راستے پر اور پھر ایسے آدمی کا انجام کیا ہو گا؟ ایسے بندے کو پھر جہنم میں داخل کیا جاتا ہے۔ تو یہ الفاظ بڑے قابل غور ہیں کہ ایسا شخص مؤمنوں کے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔ مومنوں کا راستہ بھی قرآن نے بتا دیا، فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (سورة الأحزاب: 36)

مرد ہو یا عورت ہو، کسی مؤمن کے لیے یہ جائز ہی نہیں، روا نہیں، مناسب نہیں کہ اللہ اور رسول کی طرف سے کسی بات کا فیصلہ ہو جائے کہ یہ اس طرح کرنی ہے تو پھر وہ اس سے ہٹ کر کوئی چیز کرے۔ اللہ اور رسول کے فیصلے، امر یا حکم سے ہٹ کر کچھ اور کام کرے، کوئی اور راہ اپنائے۔ یہ اللہ فرماتا ہے کہ یہ مؤمن کر ہی نہیں سکتا۔ اس کے لیے مناسب ہی نہیں ہے۔ مؤمن ہو تو ایسا کام نہیں کرے گا۔ اتباع اور اطاعت کی اہمیت بھی آئی اور نہ کرنے والوں کا انجام بھی بتا دیا گیا ہے۔ سبیل المؤمنین کے بارے میں قرآن مجید سے ایک اور رہنمائی کہ مسلمانوں کا راستہ کیا ہے؟

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ (سورة الحشر: 7)

لائحہ عمل کیا ہے؟ زندگی گزارنے کا طریقہ کیا ہے؟ یہ لائحہ عمل ہے، مسلمان کی پوری زندگی کے لیے ہے کہ جو رسول کی طرف سے حکم آتا ہے، اسے لے لو، اپنا لو، پکڑ لو اور جس سے وہ منع کرتے ہیں، اس سے منع ہو جاؤ۔ یہ ہے مسلمانوں کا راستہ۔ سبیل المؤمنین۔ یہ ہے مسلمان کا طریقہ۔ یہ ہے مسلمان کے لیے پوری زندگی کا لائحہ عمل، اس کی مخالفت، حکم نبی کی مخالفت کے بارے میں مزید فرمادیا:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (سورة النور: 63)

جو لوگ آپ کے، رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں یعنی آپ کے نمونے کی اور آپ کے حکم کی پیروی نہیں کرتے۔ انہیں ڈرنا چاہیے، اس بات سے کہ انہیں اللہ کی طرف سے اس جرم کی پاداش اور اس جرم کی سزا میں دنیا میں کوئی تکلیف آ سکتی ہے یا پھر آخرت میں عذاب الیم ان کا انتظار کر رہا ہے۔ عذاب الیم کیا ہے؟ دردناک عذاب!

صحابہ کے نزدیک اطاعت کی اور پھر خاص طور پہ اتباع سنت کی اہمیت کیا تھی؟ وہ جانتے تھے کہ اتباع کتنی اہم ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فرمان موجود ہے۔ صحیح بخاری میں:

«فَإِنِّي أَخْشَى إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ أَمْرِهِ أَنْ أَزِيغَ» (صحيح البخاري: 3093)

مجھے اس بات کا ڈر رہتا ہے کہ اگر میں نے آپ کے یعنی رسول اللہ ﷺ کے احکام میں سے ایک کو بھی چھوڑ دیا، تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ ٹیڑھے ٹیڑھے راستے پر چلا جاؤں گا۔ گمراہی کے راستے پر چلا جاؤں گا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ صحیح مسلم میں ہے:

«لانَتْرُكُ كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ» (صحيح مسلم: 3710)

ہم مسلمان اگر مسلمان ہیں تو دو چیزوں کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ ایک مسلمان دو چیزوں کو کبھی نہیں چھوڑے گا، وہ کیا ہیں؟

«كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا»

اللہ کی کتاب اور ہمارے نبی کی سنت ﷺ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنے ماتحت حکام، مختلف صوبوں کے گورنر وغیرہ کو مقرر فرماتے تو ان کو مقرر کرنے کی بنیادی وجہ کیا بتائی؟ ان کے تقرر کا فلسفہ کیا بتایا؟

" لِيُعَلِّمُوكُمْ دِينَكُمْ وَسُنَّتَكُمْ." (تاريخ طبري: 204/4)

لوگوں کو کہا کہ میں اپنے یہ حکام اس لیے مقرر کرتا ہوں تاکہ وہ تمہیں دین سکھائیں۔ صرف دنیاوی کاموں کے لیے نہیں مقرر کرتا۔ اس لیے مقرر کرتا ہوں کہ تمہیں دین سکھائیں اور تمہارے نبی کی سنت بھی ساتھ سکھائیں۔ دین کہہ دیتے، کافی تھا، لیکن سنت کی اہمیت کے پیش نظر فرمایا کہ دین سکھائیں اور خاص طور پہ نبی کی سنت سکھائیں کہ آپ کے طریقے یہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ملتے جلتے الفاظ ملتے ہیں جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمائے۔ وہ فرماتے ہیں:

«لَا نَدَعُ كِتَابَ رَبِّنَا وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا ﷺ» (مسند إسحاق بن راهوية: 623)

ان دو چیزوں کو یعنی اللہ کی کتاب اور نبی کی سنت ﷺ کو ہم نہیں چھوڑ سکتے ہم نہیں چھوڑیں گے اور اپنے لخت جگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے انہوں نے فرمایا تھا:

" وَإِنْ أَحْبَبْتَ أَنْ لَا تُوقَفَ عَلَى الصِّرَاطِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتَّى تَدْخُلَ الْجَنَّةَ، فَلَا تُحْدِثْ فِي دِينِ اللهِ حَدَثًا بِرَأْيِكَ." (مسند بزار: 2255)

بیٹے اگر تم چاہتے ہو کہ تم آنے والے کل پل صراط پر آسانی سے گزر جاؤ اور تمہیں کوئی طاقت روک نہ سکے۔ اس پل پر ہمارا راستہ نہ روک سکے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے لیے نسخہ کیا ہے؟ نسخہ یہ ہے کہ اللہ کے دین میں اپنی مرضی سے کوئی کمی اور کوئی اضافہ نہ کرنا۔ کوئی نئی بات اللہ کے دین میں شامل نہ کرنا۔ یعنی بدعت سے ڈرا رہے ہیں کہ بدعت سے بچو گے تو پل

صراط پر سے گزرنا تمہارے لیے آسان ہو جائے گا۔

یہ تو صحابہ کی بات تھی۔ خود نبی محترم ﷺ کا فرمان ترمذی میں موجود ہے۔

«ومَنْ أحبَّ سُنّتِي؛ فقدْ أحبّنِي؛ ومَنْ أحبّنِي؛ كان مَعِيَ في الجنّةِ» (مسند أبو يعلى: 3624)

آپ نے بڑے جامع اور مختصر الفاظ میں سنت کی اہمیت بتادی۔ مفہوم ہے کہ مجھ سے محبت کرنے کے دعوے دار بہت ہوں گے لیکن سچی محبت رکھنے والا کون ہے؟ ان دعوے داروں میں سچی محبت رکھنے والا کون ہے؟ فرمایا: جو میری سنت سے محبت رکھے گا، وہی مجھ سے حقیقی محبت رکھتا ہو گا۔ مجھ سے سچا پیار کرنے والا میرے طریقوں سے، میری سنت سے، میرے عمل سے پیار کرے گا۔ پیار کی وجہ سے ان کو اپنائے گا۔ خوشخبری بھی دے دی کہ جو اس طریقے سے مجھ سے محبت رکھے گا، وہ میرے ساتھ ہی جنت میں ہو گا۔ جنت میں بھی میرے ساتھ ہو گا۔

صحابہ کی مجلس میں حوضِ کوثر کی بات ہو رہی تھی۔ صحابہ نے ساقی کوثر ﷺ سے پوچھا کہ جناب جب آپ سے ہماری حوض کوثر پر ملاقات ہو گی تو آپ اپنے امتیوں کو اور مسلمانوں کو کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے اپنے امتیوں کو کوثر کے جام پلانے ہیں تو پلانے سے پہلے آپ انہیں کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

آثار وضو سے، وہ اپنے بدن کے جن اعضاء کا وضو کرتے رہے ہیں۔ جن پر وضو کا پانی بہاتے رہے ہیں۔ جیسے ہاتھ ہیں، چہرہ ہے، بازو ہیں، پاؤں ہیں۔ یہ سب چمک رہے ہوں گے، اس سے پہچانوں گا کہ یہ نمازی ہیں لیکن ساتھ ہی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے بعض لوگوں کو پہچان کر یا یہ سمجھ کر کہ یہ میرے امتی ہیں، جب میں کوثر کا جام پلانا چاہوں گا، تو فرشتے مجھے روک دیں گے کہ یہ اس قابل نہیں، کیوں قابل نہیں؟ ان کے اعضا تو چمک رہے ہیں؟ ٹھیک ہے، اعضا چمک رہے ہیں لیکن بتایا جائے گا کہ:

« إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ » (صحيح بخاری: 6584)

آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انہوں نے دین میں کون سی نئی نئی چیزیں شامل کر دی تھیں۔ کون سی بدعات انہوں نے رائج کر دی تھیں اور ان پر چلتے تھے تو جب مجھے معلوم ہو گا کہ یہ بدعتی ہیں تو پھر میں بھی کہوں گا کہ

«فَأَقُولُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي » (صحیح بخاری: 6584)

ان کو پرے کر دو، ان کو دور کر دو، یہ بدعتی دفعہ ہو جائیں، رحمت للعالمین بھی ان کو اپنے سے دور کر دیں گے، ایسے لوگ اللہ کی رحمت سے دور اور رحمت للعالمین سے دور ہو جائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس حوالے سے چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی بڑی چیزوں تک اتباع سنت کا اہتمام کرتے تھے۔ آپ کی پیروی کرتے تھے، نقل کرتے تھے حتیٰ کہ مسجد سے باہر کہیں، غالباً سفر پہ ایک نماز ہو رہی تھی ، نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھاتے پڑھاتے، اپنا جوتا جو آپ نے پہنا ہوا تھا، کسی ضرورت کے تحت اتار دیا ، جوتے صاف ہوں تو جوتوں سمیت نماز پڑھ سکتے ہیں ، تو آپ پڑھ رہے تھے، صحابہ بھی پڑھ رہے تھے۔ ہمارے ہاں جنازے میں کئی لوگ کھڑے ہوتے ہیں، جنازے کا وقت ہوتا ہے تو وہ پاؤں کو جوتے سے نکال کے، جوتے کے اوپر رکھ لیتے ہیں۔ بھئی فرق کیا پڑا؟ پاؤں جوتے کے اندر ہے یا باہر ہے، جوتا تو ادھر پاؤں کے نیچے ہی ہے، اگر جوتا صاف ہے تو اسی طرح رہنے دیں۔ صاف نہیں ہے، تو الگ کر دیں۔ بدستور پاؤں کے نیچے رکھنے کی کوئی ضرورت یا صورت نہیں۔

خیر، آپ نے نماز پڑھتے ہوئے جوتا ایک طرف کر دیا۔ صحابہ کہتے ہیں، آپ کی اتباع میں ہم نے بھی ایسا ہی کیا ، یہ اتباع کا جذبہ تھا۔ ہم نے بھی جوتے اتارے دیئے۔ نماز میں تو گفتگو نہیں ہوتی، بعد میں آپ نے پوچھا کہ بھائی میں نے ایک خاص وجہ سے جوتے اتارے تھے، تم نے کیوں اتارے؟ میں نے تو اس لیے اتارے تھے کہ مجھ پر وحی آتی ہے، مجھ پر وحی آگئی، جبرائیل نے کہا کہ آپ کے جوتے تلے کوئی غلاظت اور گندگی ہے، جو راہ چلتے ہوئے لگ گئی تھی تو میں نے جوتے ہٹا دیئے، تم نے کیوں ہٹائے؟ صحابہ کا جواب بڑا سادہ اور بڑا عجیب تھا:

«رَأَيْنَاكَ أَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَأَلْقَيْنَا نِعَالَنَا» (سنن أبو داؤد: 650)

ہم نے صرف یہ دیکھا کہ آپ نے جوتے اتارے ہیں، تو ہم نے بھی اتار دیئے ،وجہ جاننے کی ہمیں ضرورت نہیں تھی۔ حکمت جاننے کی ضرورت نہیں تھی کہ آپ نے یہ کام کیا تو اس کی حکمت کیا ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا فلسفہ کیا ہے؟ ان باتوں میں نہیں ہم پڑے۔ جو دیکھا، وہ ہم نے کیا۔ یہ جذبہ ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساتھیوں کے ہمراہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ حجر اسود کے قریب سے گزرتے ہیں تو اس کا استلام کرتے ہیں۔ استلام، اشارہ کو بھی کہتے ہیں؟ ہاتھ سے حجر اسود کو چھونا اور اسے بوسہ دینا استلام ہے۔ ایک ہے تقبیل، یعنی حجر اسود کو بوسہ دینا، ایک ہے استلام یعنی قریب آنے کا موقع نہ ملے تو دھکم پیل کرنے کی بجائے دور سے اشارہ کر دینا یا لاٹھی وغیرہ پاس ہے تو وہ لگا لو اس کو یا ایسے ہی اشارہ کر دو ہاتھ سے۔ اسے استلام کہتے ہیں۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ طواف کر رہے ہیں، استلام بھی کر رہے ہیں، حجر اسود کے پاس آئے۔ پھر ساتھیوں کو اور لوگوں کو سمجھانے کے لیے آپ نے ایک بات

فرمائی اور وہ بات حجر اسود کو مخاطب کر کے فرمائی، حجر اسود سنتا نہیں ہے۔ سنانا لوگوں کو تھا۔ یہ بھی طریقہ ہے بات کرنے کا۔ کیا فرمایا؟ فرمایا:

«إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ» (صحيح بخاري: 1597)

اے پتھر! میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تیرے ہاتھ میں میرا یا کسی کا نفع و نقصان نہیں ہے، تو کچھ بھی نہیں کر سکتا، تیرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے تو بس پتھر ہے۔ تو ہمارا کوئی معبود نہیں ہے، خدانخواستہ۔ اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی تیرا بوسہ نہ لیتا لیکن ہم نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے، یہ آپ ﷺ کی سنت ہے، ہم بھی سنت پر عمل کرتے ہیں۔ اس عمل کی وجہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح رمل کے بارے میں بھی آپ نے فرمایا:

«فَمَا لَنَا وَلِلرَّمَلِ إِنَّمَا كُنَّا رَاءَيْنَا بِهِ الْمُشْرِكِينَ وَقَدْ أَهْلَكَهُمُ اللَّهُ»، ثُمَّ قَالَ: «شَيْءٌ صَنَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَتْرُكَهُ» (صحيح بخاري:1605)

رمل کیا ہے؟ طواف کے دوران پہلے تین چکروں میں تیز چال سے چلنا، جب حاجی یا عمرہ کرنے والا پہلا طواف کرتا ہے، خاص طور پہ طواف قدوم، پہلا طواف، عمرہ یا حج کا پہلا طواف، پہلے تین چکر اگر جگہ ہو اور اگر گنجائش ہو تو لوگوں کو تنگ کر کے نہیں، دھکے دے کر نہیں، اگر گنجائش ہو تو تیز چلنا چاہیے اور ذرا جوانوں کی طرح، پہلوانوں کی طرح یہ تین چکر کاٹنے چاہئیں، اس طرح تین چکروں میں ذرا تیز چال سے چلے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رمل کیا ہے؟ سوال اٹھایا اور سوال کا خود ہی جواب دیا۔ سوال کیا اٹھایا؟ سوال یہ اٹھایا کہ " فَمَا لَنَا وَلِلرَّمَلِ؟" ہم یہ رمل کیوں کرتے ہیں؟ اس کی کیا ضرورت ہے؟ اب کیا ضرورت ہے؟

"شَيْءٌ صَنَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَتْرُكَهُ."

بتایا کہ یہ تو اللہ کے نبی نے کیا تھا۔ مشرکوں کو دکھانے کے لیے۔ مشرکوں پر رعب ڈالنے کے لیے کیا تھا۔ اس وقت کیا دکھانا تھا؟ کیا رعب ڈالنا تھا؟ واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جو عمرہ آپ نے کیا، اس میں آپ طواف کر رہے تھے، آپ کو خبر ملی کہ مشرکین جو ایک معاہدے کے تحت خاموش تھے کہ چلو مسلمان عمرہ کر لیں۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ مدینے کی آب و ہوا نے مکے سے جانے والے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ اب یہ ہم سے جنگ میں جیت نہیں سکتے۔ دیکھو کیسی مریل چال چل رہے ہیں۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ نے کہا کہ جوانوں کی طرح چلو، پہلوانوں کی طرح چلو، اکڑ کے چلو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وجہ تو یہ تھی، اب وہ مشرک جو اعتراض کرنے والے اور ہنسنے والے تھے، مذاق کرنے والے تھے کہ کیسی نرم سی مریل چال چل رہے ہیں۔ اللہ نے ان کو ختم کر دیا۔ اب رمل کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ وہ تو ختم ہو گئی ضرورت۔ وجہ تو ختم ہو گئی۔ پھر آپ نے خود ہی جواب دیا اور سنت کی اہمیت بتا دی، بتایا کہ یہ ایک عمل ہے، جس کو اللہ کے نبی ﷺ نے کیا تھا۔ اللہ کے نبی نے یہ عمل کیا تھا۔ اس لیے ہم اسے چھوڑنا پسند نہیں کرتے، اسے کرتے رہیں گے۔ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ یہ ہے سنت کی اہمیت۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کسی نے کہا کہ آپ رکن عراقی کو ہاتھ لگانے سے منع کیوں کرتے ہیں؟ رکن عراقی کیا ہے؟ کعبے کے چار کونے ہیں، حجر اسود سے آگے آئیں تو مقام ابراہیم سے گزر کے آگے حطیم آ جاتا ہے۔ حطیم سے بھی آگے بڑھیں۔ تو وہ کونا جو حجر اسود والے کونے سے پہلے آتا ہے، اسے رکن یمانی کہتے ہیں، اس سے پہلا جو ہے، اسے رکن عراقی کہتے ہیں، کیونکہ اس کا رخ عراق کی طرف ہے۔ رکن یمانی کو ہاتھ لگا سکتے ہیں، بوسہ نہیں لے سکتے۔ بوسہ لینا خلاف سنت ہے۔ بوسہ صرف حجر اسود کا ہے۔ اس سے پہلے جو کونا ہے رکن یمانی اسے ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ اگر موقع ہو۔ اس سے پہلے جو رکن عراقی ہے، اسے ہاتھ نہیں لگانا، اس لیے کہ اللہ کے رسول نے نہیں لگایا، تو آپ سے پوچھا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہ آپ رکن عراقی کو ہاتھ لگانے سے منع کیوں کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ

" أَلَيْسَ رَسُولِ اللهِ أُسْوَة حَسَنَة؟" (مسند أحمد:512)

اس لیے کہ اس حوالے سے اللہ کے رسول کا نمونہ موجود نہیں ہمارے پاس۔ آپ کا نمونہ یہی بتاتا ہے کہ اس کو ہاتھ نہیں لگانا تو بس نہیں لگانا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔ وجہ پہ مت جائیں۔ حکمت اور فلسفے پہ مت جائیں۔ وجہ معلوم ہو یا نہ ہو۔ کرنا وہی ہے جو آپ نے کیا۔ یہ تو عبادت سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں۔ صحابہ تو آپ کی پیروی اور اتباع ان چیزوں میں بھی کرتے تھے۔ جو بظاہر عبادت کی نہیں ہیں۔ جن کا براہ راست عبادت سے تعلق نہیں ہے، صحابہ ان کی بھی پیروی کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ملتی ہے کہ

" كَانَ يَقِيلُ تَحْتَ شَجَرَةٍ." (إبانة الكبرى:1/ 241)

سفر کے دوران ضرورت ہو یا نہ ہو، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک درخت کے نیچے رک جاتے تھے۔ سفر کے دوران ایک درخت کے پاس آتے تھے۔ وہاں تھوڑا سا آرام کرتے تھے، ضرورت آرام کی ہو یا نہ ہو

اور فرماتے تھے کہ میں نے اللہ کے رسول کو اس درخت کے نیچے آرام کرتے دیکھا ہے، اس لیے میں یہ کرتا ہوں۔ آپ کے طریقوں سے اور آپ سے یہ محبت ہے، یہ تو ہوا اتباع سنت کا جذبہ۔ اتباع سنت کا جذبہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا، جب تک بدعت سے نہ بچا جائے۔ اجتنابِ بدعت اتباع سنت کا ایک لازمی حصہ ہے۔

اس کے بارے میں بھی صحابہ و تابعین کے واقعات موجود ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عید گاہ میں تشریف لائے۔ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ کیا نماز کوئی برا فعل ہے؟ سب سے اچھا فعل ہے، لیکن عید گاہ میں رسول اللہ ﷺ نے اور صحابہ نے کبھی نماز نہیں پڑھی۔ سوائے عید کی دو رکعت کے نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے دیکھا کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، تو آپ نے کیا فرمایا: بڑے اہم الفاظ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے الفاظ اور ساری بات کا خلاصہ یہ ہے:

"إنّ اللهَ لَا يُثِيبُ عَلَى فِعْلٍ حَتَّى يَفْعَلَهُ وَيَحُثَّ عَلَيْهِ"

بھائی! یاد رکھو، اللہ تعالیٰ اس کام پر کوئی ثواب نہیں دیتا، جس کو اللہ کے رسول نے نہ کیا ہو، یا اس کی طرف لوگوں کو آمادہ نہ کیا ہو، جس کا حکم دیا ہو یا آپ نے خود کیا ہو۔ اس کا ثواب ملتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی بات ہے۔ کوفہ کی مسجد کی بات ہے، جب آپ کوفے تشریف لے گئے تھے اور اسے دارالحکومت بنایا تھا تو مسجد کوفہ میں اذان ہوئی اور اذان کے بعد اقامت سے پہلے ایک شخص نے پکارنا شروع کیا، "الصلاۃ الصلاۃ" "آؤ بھئی نماز پڑھو۔" آپ نے فرمایا، یہ کیا ہے؟ نماز کے لیے یا اذان ہے یا اقامت ہے؟ تیسری کوئی چیز نہیں۔ یہ جو اذان کے ساتھ، اس کے آگے، پیچھے، پہلے، شروع میں تھا اور اب اس کے بعد بھی شروع ہو گیا۔ درود شریف پڑھنا بہترین عمل ہے، لیکن ہر عمل کا ایک مقام اور ایک وقت ہے۔ جو اللہ کے رسول نے کیا، اس طرح کرنا چاہیے۔ اذان کے ساتھ اس طرح کوئی نہیں پڑھتا تھا۔ ان کو یہ بات نوٹ کرنی چاہیے، سمجھ لینی چاہیے تو کوفہ کی مسجد میں وہ بندہ الصلاۃ والصلاۃ کہہ رہا تھا۔ آپ حاکم بھی تھے، آپ کا حکم چلتا تھا تو آپ نے فرمایا:

" أَخْرِجُوا هَذَا الْمُبْتَدِعَ مِنْ هَذَا الْمَسْجِدِ."

(المبسوط: 130/1)

اس بدعتی کو مسجد سے نکال دو۔ یہ الصلاۃ کہہ کے بظاہر اچھا عمل کر رہا ہے، لوگوں کو نماز کے لیے بلا رہا ہے لیکن سنت میں یہ چیز موجود نہیں ہے، سنت میں یا اذان ہے یا تکبیرِ اقامت ہے۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی ہے۔ آخری عمر میں انہیں کچھ نظر کا مسئلہ تھا۔ بینائی کم تھی، تو کسی شاگرد وغیرہ کو ساتھ لے کے مسجد میں گئے۔ شاگرد ساتھ تھا، مجاہد اس کا نام تھا۔ ایک مسجد میں گئے، اتفاق سے وہاں بھی اسی طرح کوئی "الصلاۃ الصلاۃ" کے الفاظ کہہ رہا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تو حاکم تھے، انہوں نے کہہ دیا تھا، اس کو نکالو۔ اب یہ تو نکال نہیں کہہ سکتے تھے، خود نکل آئے اور اپنے ساتھی سے کہا: «اخْرُجْ بِنَا فَإِنَّ هَذِهِ بِدْعَةٌ» (سنن أبو داود: 538)

یہ بدعت ہو رہی ہے، اس مسجد میں ہم نماز نہیں پڑھیں گے، نکلو یہاں سے، کہیں اور چلتے ہیں۔

صوفیاء کرام کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ نئی باتیں کرنے والے ہیں اور بدعتوں میں پڑنے والے ہیں، سب صوفی ایسے نہیں ہوتے۔ بڑے نیک لوگ گزرے ہیں جو سنت کے تابعدار اور اتباع کرنے والے تھے۔ ذوالنون مصری مشہور صوفی ہیں، لوگوں نے پوچھا، حالات میں خرابی کا سبب کیا ہے؟ ہمارے حالات کیوں بگڑ گئے؟ فرمایا: لوگوں نے اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دیا ہے اور خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں، اس لیے حالات خراب ہوئے ہیں:

" اتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَتَرَكُوا سُنَّةَ نَبِيِّهِمْ"

لوگوں نے اپنے نبی کی پیروی کو چھوڑ دیا اور اپنی خواہشوں کے پیچھے چلنے لگے، اس لئے یہ نتیجہ نکلا ہے۔

خواجہ ابراہیم ادھم ایک اور اچھے بزرگ ہیں۔ ان سے پوچھا گیا، ہماری دعائیں کیوں قبول نہیں ہوتیں؟ ہمارے لوگ بھی سوال کرتے ہیں کہ دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟ فرمایا:

"ادَّعَيْتُمْ حُبَّ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَتَرَكْتُمْ سُنَّتَهُ."

(حلية الأولياء: 15/8)

دعویٰ تم کرتے ہو، اللہ کے نبی کی محبت کا اور اس کی سنتوں کو چھوڑتے ہو تو تمہاری دعائیں کیسے قبول ہوں گی؟ تو یہ سنت کی اہمیت ہے، بدعت سے بچنے کی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں متبع سنت بنائے اور نبی کریم ﷺ کی سنت کی پیروی اور آپ کی اطاعت کر کے جنت کا وارث بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆

امام ابن رجب فرماتے ہیں: "پندرہویں شعبان کی رات کے متعلق امام احمد کا کوئی کلام نہیں ہے لیکن ان سے دو ایسی روایتیں منقول ہیں، جن سے اس رات میں قیام کے استحباب پر استدلال کیا جاسکتا ہے اور دونوں روایتیں عیدین کی راتوں میں قیام سے متعلق ہیں۔ ایک روایت ہے کہ اس رات میں جماعت کے ساتھ قیام کرنا مستحب نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ سے منقول نہیں ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ اس رات میں قیام مستحب ہے اور استدلال عبدالرحمن بن یزید بن الاسود کے فعل سے ہے جو تابعی ہیں۔ اس طرح پندرہ شعبان کی رات کا قیام نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب سے ثابت نہیں ہے لیکن تابعین شام کے کی ایک جماعت سے اس رات کا قیام ثابت ہے۔ (لطائف المعارف: ص 23)



ضرورت سے زیادہ کھانا ناپسندیدہ عمل

ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ يَأْكُلُ فِي مِعَاءٍ وَاحِدٍ، وَإِنَّ الْكَافِرَ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ» (صحیح بخاری، كتاب الأطعمة، المؤمن يأكل في معى واحد: 5393-صحیح مسلم، كتاب الأشربة، باب المؤمن يأكل في معى واحد: 2060)

"یقیناً مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ ضَافَهُ ضَيْفٌ وَهُوَ كَافِرٌ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِشَاةٍ فَحُلِبَتْ فَشَرِبَ، ثُمَّ أُخْرَى فَشَرِبَ حَتَّى شَرِبَ حِلَابَ سَبْعِ شِيَاهٍ، ثُمَّ أَصْبَحَ فَأَسْلَمَ فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِشَاةٍ فَشَرِبَ حِلَابَهَا، ثُمَّ أَمَرَ بِأُخْرَى فَلَمْ يَسْتَتِمَّهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الْمُؤْمِنُ يَشْرَبُ فِي وِعَاءٍ وَاحِدٍ، وَالْكَافِرُ يَأْكُلُ فِي سَبْعَةِ أَمْعَاءٍ.»(صحیح مسلم، كتاب الأشربة، باب المؤمن يأكل في معى واحد، والكافر يأكل في سبعة أمعاء: 2063- سنن ترمذی، أبواب الأطعمة، باب ما جاء أن المؤمن يأكل في معى واحد، والكافر يأكل في سبعة أمعاء:1819)

"رسول اللہ ﷺ نے ایک مہمان کی مہمان نوازی کی اور وہ مہمان کافر تھا، رسول اللہ ﷺ نے بکری کا دودھ نکال کرلانے کا حکم فرمایا، دودھ نکال کرلایا گیا تو وہ پی گیا، پھر دوسری کا لایا گیا تو وہ بھی پی گیا، یہاں تک کہ اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا، پھر اگلی صبح اس نے اسلام قبول کر لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بکری کا دودھ لانے کا حکم فرمایا(وہ لایا گیا) تو اس نے پی لیا، پھر آپ ﷺ نے دوسری بکری کا دودھ منگوایا لیکن وہ سارا نہیں پی سکا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے۔"

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مِعَاءٌ سے مراد معدہ ہے، اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کافر اس بندے جتنا کھاتا ہے جس کے سات معدے ہوں، جبکہ مومن ایک معدے والے بندے جتنا کھاتا ہے۔ راقم کی نظر میں اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن چونکہ بسم اللہ پڑھ کر کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک تو اس کے کھانے میں برکت ڈال دیتا ہے اور دوسرا یہ کہ شیطان بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانے سے بھاگ جاتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں بیان ہے کہ جو بسم اللہ پڑھ کر نہیں کھاتا اس کے ساتھ شیطان بیٹھ جاتا ہے، جبکہ کافر کا بسم اللہ پڑھنا تو کجا اسلام سے ہی چنداں واسطہ نہیں ہوتا، اس لیے اس کا کھانا بھی بے برکت ہوتا ہے اور شیطان بھی اس کے ساتھ شریک رہتا ہے، تبھی وہ سات سات آدمیوں کا کھانا اکیلا ہی کھا جاتا ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الِاثْنَيْنِ، وَطَعَامُ الِاثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ، وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ.»(صحیح مسلم: 2059

"ایک بندے کا کھانا دو کو کفایت کر جاتا ہے، دو کا چار کو کافی ہو جاتا ہے اور چار کا آٹھ کو پورا آ جاتا ہے۔"

یہ حدیث در حقیقت اکٹھے مل کر کھانے کی فضیلت کے بارے میں ہے کہ اکیلے کھانے میں وہ برکت نہیں ہے جو اکٹھے مل کر کھانے میں ہوتی ہے۔ اکٹھے مل کر کھایا جائے تو ایک شخص کا کھانا دو کو پورا آ جاتا ہے، دو آدمیوں کے کھانے سے چار آدمی سیر ہو جاتے ہیں اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کو کفایت کر جاتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

مَا شَبِعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ تِبَاعًا حَتَّى مَضَى لِسَبِيلِهِ. (صحیح مسلم:2970)

"رسول اللہ ﷺ نے وفات پا جانے تک مسلسل تین دن سیر ہو کر نہیں کھایا۔"

ابو جحیفہ بیان کرتے ہیں کہ

أَكَلْتُ ثَرِيدَ بُرٍّ وَلَحْمٍ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَأَنَا أَتَجَشَّأُ، فَقَالَ: «اكْفُفْ عَنَّا أَوِ احْبِسْ عَنَّا مِنْ جُشَائِكَ، فَإِنَّ أَكْثَرَكُمْ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا أَطْوَلُكُمْ جُوعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ.» قَالَ: فَمَا أَكَلَ أَبُو جُحَيْفَةَ مِلْءَ بَطْنِهِ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا، وَكَانَ إِذَا تَعَشَّى لَمْ يَتَغَدَّ، وَإِذَا تَغَدَّى لَمْ يَتَعَشَّ. (سلسلة الأحاديث الصحيحة:343)

"میں نے روٹی اور گوشت کا ثرید بنا کر کھایا، پھر میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور میں ڈکار مار رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہمارے سامنے (ڈکار مارنے

سے) رُک جا، یا فرمایا کہ اپنے ڈکار سے ہمیں دور ہی رکھ، کیونکہ جو تم میں سے دنیا میں بہت زیادہ سیر رہتا ہے وہ روزِ قیامت تم سب سے زیادہ طویل مدت تک بھوکا رہے گا۔ اس کے بعد ابوجحیفہؓ نے دنیا سے کُوچ کر جانے تک کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا اور جب صبح کا کھانا کھا لیتے تو شام کا نہیں کھاتے تھے اور جب شام کا کھاتے تو صبح کا نہیں کھاتے تھے۔“

مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنِهِ، بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ لُقَيْمَاتٍ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَابُدَّ فَثُلُثٌ طَعَامٌ، وَثُلُثٌ شَرَابٌ، وَثُلُثٌ نَفَسٌ.» (سنن ترمذی: 2380-سنن ابن ماجه: 3349-إرواء الغليل للألباني:1983)

”آدمی اپنے پیٹ سے بُرا کوئی برتن نہیں بھرتا، حالانکہ ابنِ آدم کو تو چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں، لیکن اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو ایک تہائی کھانا ہو، ایک تہائی پانی اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے چھوڑ دے۔“

درحقیقت کھانے کا مقصد صرف صحت او زندگی بحال رکھنا ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ اس کے لیے تو چند لقمے ہی کافی ہیں، کیونکہ انسان کی زندگی کا مقصدِ اصلی یہ ہے کہ وہ اپنی اس مستعار زندگی کو اس کے حقیقی مالک کی عبودیت وبندگی اور اس کے دین کی خدمت میں کھپا دے اور اُخروی امتحان کی تیاری کے لیے ملنے والی اس قیمتی مہلت کو فقط ہوائے نفسانیہ کی تکمیل میں ہی نہ ضائع کر دے۔ لیکن اگر زیادہ کھانے کو جی چاہے تو اس کے لیے بھی یہ ضابطہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اپنے سارے پیٹ کو کھانے سے ہی نہیں بھر لینا چاہیے، بلکہ اس کے تین حصے کیے جائیں: ایک حصہ کھانے کے لیے، ایک پانی کے لیے اور ایک سانس لینے کے لیے خالی چھوڑ دیا جائے۔

اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَطْعَمَ بَنِي آدَمَ ضُرِبَ مَثَلًا لِلدُّنْيَا فِيمَا يَخْرُجُ مِنَ ابْنِ آدَمَ وَإِنْ مَلَّحَهُ وَقَزَّحَهُ فَيَعْلَمُ إِلَى مَا يَصِيرُ.»(مسند أحمد: 136/5، سلسلة الأحاديث الصحيحة:382)

”بلاشبہ انسان کے کھانے کی مثال دنیا کے لیے یہ اس طور دی گئی ہے کہ وہ انسان سے خارج ہوتا ہے، اگرچہ اس نے اسے نمکین و مصالحے دار بنایا ہو لیکن وہ جانتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔“

اکٹھے مل کر کھانے کی فضیلت

وحشی بن حرب اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ

أَنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَأْكُلُ وَلَا نَشْبَعُ، قَالَ: «فَلَعَلَّكُمْ تَفْتَرِقُونَ.» قَالُوا: نَعَمْ قَالَ: «فَاجْتَمِعُوا عَلَى طَعَامِكُمْ، وَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ يُبَارَكْ لَكُمْ فِيهِ.»(سنن أبوداؤد، كتاب الأطعمة، باب في الاجتماع على الطعام: 3764، سنن ابن ماجه، كتاب الأطعمة، باب الاجتماع على الطعام: 3286، سلسلة الأحاديث الصحيحة:664)

”نبی ﷺ کے صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم کھانا کھاتے ہیں تو سیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید تم الگ الگ کھاتے ہو؟ صحابہؓ نے جواب دیا: جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: سب اکٹھے مل کر کھایا کرو اور اللہ کا نام بھی لیا کرو (یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھایا کرو)، تمہارے کھانے میں برکت ڈال دی جائے گی۔“

بغیر دعوت کھانے میں شرکت

ابوشعیب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ: فَعَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الْجُوعَ، فَأَتَيْتُ غُلَامًا لِي قَصَّابًا وَأَمَرْتُهُ أَنْ يَجْعَلَ لَنَا طَعَامًا لِخَمْسَةِ رِجَالٍ، ثُمَّ دَعَوْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَجَاءَ خَامِسَ خَمْسَةٍ وَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ، فَلَمَّا بَلَغَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْبَابَ قَالَ: «إِنَّ هٰذَا قَدْ تَبِعَنَا، فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْذَنَ لَهُ وَإِلَّا رَجَعَ.» فَأَذِنَ لَهُ (صحيح بخارى، كتاب الأطعمة، باب الرجل يتكلف الطعام لإخوانه: 5434-صحيح مسلم، كتاب الأشربة: 2036)

”میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک سے ہی پہچان لیا کہ آپ ﷺ کو بھوک لگی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں اپنے غلام کے پاس آیا جو قصاب تھا، میں نے اسے کہا کہ وہ پانچ آدمیوں کا کھانا تیار کر دے۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی، (باقی چار لوگوں کے ساتھ) پانچویں آپ ﷺ تشریف لائے اور ان کے پیچھے ایک اور آدمی آگیا، جب رسول اللہ ﷺ (ہمارے گھر کے) دروازے کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا: یہ آدمی ہمارے پیچھے چلا آیا ہے، سو اگر تم چاہو تو اسے اجازت دے دو، وگرنہ یہ واپس چلا جائے گا۔ چنانچہ) صاحب خانہ نے (اسے بھی اجازت دے دی۔“

اس حدیث سے یہ بات احاطۂ علم میں آتی ہے کہ جو لوگ دعوت پر مدعو ہوں صرف وہی کھانے میں شرکت کا حق رکھتے ہیں، اور اگر کوئی بغیر دعوت کے آجائے تو اس کے لیے اجازت لینا ضروری ہے، اگر صاحبِ خانہ اجازت دے گا تو وہ بھی شریک ہو جائے گا اور اگر نہیں دے گا تو اسے شرکت کا حق حاصل نہیں ہے بلکہ اسے واپس جانا ہو گا۔

کھانا کھلانے والے کے لیے دعا

عبد اللہ بن بُسر بیان کرتے ہیں کہ:

إِنّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرّ بِأَبِيهِ وَهُوَ عَلَى بَغْلَةٍ لَهُ بَيْضَاءَ، فَأَتَاهُ فَأَخَذَ بِلِجَامِهَا، فَقَالَ: انْزِلْ عَلَيّ، فَنَزَلَ عَلَيْنَا، فَأَتَى بِتَمْرٍ وَسَوِيقٍ، فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُ ثُمّ يَضَعُ النّوَى عَلَى ظَهْرِ السّبّابَةِ وَالْوُسْطَى أَوْ عَلَيْهِمَا جَمِيعًا ثُمّ يَرْمِي بِهِ، قَالَ: وَصَنَعَ لَهُ طَعَامًا فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُ ثُمّ أَتَاهُ بِقَدَحٍ مِنْ لَبَنٍ أَوْ سَوِيقٍ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمّ أَعْطَاهُ الّذِي عَلَى يَمِينِهِ، فَأَرَادَ أَنْ يَسِيرَ أَوْ يَرْتَحِلَ، فَقَالَ: ادْعُ لَنَا، فَقَالَ: «اللّٰهُمّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ.»(صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب وضع النوى خارج التمر واستحباب دعاء الضيف لأهل الطعام: 2042)

"رسول اللہ ﷺ میرے والد کے پاس سے گزرے اور آپ ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے، تو میرے والد آپ ﷺ کے پاس آئے اور (خچر کی) لگام پکڑ کر عرض کیا: میرے گھر تشریف لائیے، تو آپ ﷺ تشریف لے آئے۔ میرے والد کھجور اور ستّو لائے، آپ ﷺ انہیں کھانے لگے اور گٹھلیاں انگشتِ شہادت اور درمیانی انگلی کی پُشت پر یا ان دونوں پر رکھتے گئے، پھر انہیں پھینک دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، آپ ﷺ کھانے لگے، پھر دودھ یا ستّو کا پیالہ لایا گیا، آپ ﷺ نے نوش فرمایا اوراپنے داہنی جانب والے کو دیا، پھر جب آپ ﷺ جانے لگے تو(میرے والد) نے کہا: ہمارے لیے دعا فرما دیجیے، تو آپ ﷺ نے یہ دعافرمائی: اَللّٰهُمّ بَارِكْ لَهُمْ فِيمَا رَزَقْتَهُمْ وَاغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ "اے اللہ! جو تونے انہیں عطافرمایاہے اس میں برکت ڈال دے، انہیں بخش دے اوران پر رحم فرما۔"

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَزُورُ الْأَنْصَارَ فَإِذَا جَاءَ دُورَ الْأَنْصَارِ أَتَاهُ صِبْيَانُ الْأَنْصَارِ فَيَدُورُونَ حَوْلَهُ فَيَدْعُو لَهُمْ وَيَمْسَحُ رُءُوسَهُمْ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ، فَأَتَى النّبِيُّ ﷺ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ فَسَلّمَ عَلَيْهِمْ، فَقَالَ: «السّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ»، فَسَمِعَ سَعْدٌ فَرَدّ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ وَلَمْ يَسْمَعِ النّبِيُّ ﷺ رَدّهُ، فَقَالَ النّبِيُّ ﷺ: «السّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ»، فَرَدّ سَعْدٌ وَلَمْ يَسْمَعِ النّبِيُّ ﷺ ثَلَاثَ مَرّاتٍ، قَالَ: وَكَانَ النّبِيُّ ﷺ لَا يَزِيدُ عَنْ ثَلَاثِ تَسْلِيمَاتٍ، فَإِنْ أُذِنَ لَهُ وَإِلّا رَجَعَ، قَالَ: فَانْصَرَفَ النّبِيُّ ﷺ، وَجَاءَ سَعْدٌ مُبَادِرًا، فَقَالَ: يَا نَبِيّ اللهِ، وَالّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا سَلّمْتَ تَسْلِيمَةً إِلّا قَدْ سَمِعْتُهَا وَرَدَدْتُهَا عَلَيْكَ، وَلَكِنْ أَحْبَبْتُ أَنْ تُكْثِرَ عَلَيْنَا مِنَ السّلَامِ وَالرّحْمَةِ، ادْخُلْ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: فَدَخَلَ فَتَحَدّثْنَا، فَقَرّبَ إِلَيْهِ سَعْدٌ طَعَامًا، فَأَصَابَ مِنْهُ النّبِيُّ ﷺ، فَلَمّا أَرَادَ أَنْ يَنْصَرِفَ قَالَ: «أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ، وَأَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصّائِمُونَ، وَصَلّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ.»(صحيح بخاری، کتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله: 5177، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب زواج زينب بنت جحش: 1432)

"رسول اللہ ﷺ انصار سے ملنے جایا کرتے تھے، جب آپ ﷺ انصار کے گھروں کے پاس پہنچتے تو انصاری بچے آپ کے پاس آجاتے اور آپ ﷺ کے ارد گرد چکر لگانے لگتے۔ آپ ﷺ ان کے لیے دعا فرماتے، ان کے سرپر ہاتھ پھیرتے اورانہیں سلام کہتے۔ (ایک روز)سعدبن عبادہ کے ہاں تشریف لائے اورانہیں اَلسّلَامُ عَلَيْكُمُ وَرَحْمَةُ اللهِ کہا، سعدؓ نے سلام سنا تو رسول اللہ ﷺ کو سلام کا جواب دیا لیکن آپ ﷺ کواس کا جواب نہ سنا، آپ ﷺ نے پھر اَلسّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کہا، سعدؓ نے سُن کر جواب دیا لیکن نبی ﷺ کو پھر نہ سنا، آپ ﷺ نے تین مرتبہ سلام کہا، اور نبی ﷺ تین مرتبہ سے زیادہ سلام نہیں کہا کرتے تھے، سو اگر اجازت مل جاتی (تو اندر تشریف لے جاتے) ورنہ واپس چلے آتے۔ چنانچہ نبی ﷺ واپس آگئے اور سعد رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کیا: اے پیغمبرِ خدا! اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر مبعوث فرمایاہے، آپؐ نے جو بھی سلام کہاہے میں نے وہ سنا بھی ہے اوراس کاجواب بھی دیاہے، (لیکن آہستہ جواب دینے کی وجہ یہ ہے کہ) میں چاہتا تھا کہ آپؐ مجھے زیادہ سے زیادہ سلامتی اور رحمت کی دعادیں، اے اللہ کے رسول! تشریف لائیے۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ تشریف لے گئے، ہم باتیں کرنے لگ گئے تو سعدؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا پیش کیا، آپ ﷺ نے اس سے کچھ کھالیا، پھر جب آپ ﷺ نے واپس جانے کاارادہ کیاتو یہ دعافرمائی:

أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَأَفْطَرَ عِنْدَكُمُ الصّائِمُونَ وَصَلّتْ عَلَيْكُمُ الْمَلَائِكَةُ

"تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں، تمہارے پاس روزے دار افطاری کریں اور فرشتے تمہیں دعائیں دیں۔"

☆☆☆

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جس طرح صدقہ مال کی زکاۃ ہے، اسی طرح بیماری بدن کی زکاۃ ہے۔ پس جس جسم کو کوئی تکلیف نہ ہو، وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ مال جس کی زکاۃ ادا نہ کی جائے۔"

(آداب الحسن البصری: 53)



محمد سرور محمدی رحمہ اللہ؛توحید وسنت کی ایک شناخت

محمد عبدالرحمن ندوی (سابق مبعوث مرکز الدعوۃ والارشاد، دوحہ۔قطر)

(قسط02)

حق اور باطل کا معرکہ اور ایثار و قربانی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴾

”ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے ، خوف سے ، بھوک سے اور مال و جان کے نقصان سے اور پھلوں کی کمی سے ۔ اے اللہ کے رسول آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیں۔“ (سورۃ البقرۃ:100)

سابقہ تفصیلات میں یہ بات گزری کہ محمد سرور صاحب کے والد محمد فضل علی صاحب کو عاشور خانہ کی مجاوری بھی حاصل تھی، جبکہ وہ گورنمنٹ ملازم تھے۔ سہ رشتہ پولیس میں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ دفعدار تھے ۔ گھر کے خوشحال تھے ۔ چونکہ ان کے آباؤ اجداد سے یہ مجاوری چل رہی تھی، جن کے یہ بھی ایک وارث تھے۔ عاشور خانہ کی خدمت صرف یکم محرم تا دس محرم، یعنی دس دن ہوا کرتی ۔ اس کی خدمت یہ کہ ہر سال عاشور خانہ میں علموں کی ایستادگی کریں اور تعزیہ داری کریں اور عاشور خانے کی دیکھ بھال کریں۔ اس کے یہ تنہا ذمہ دار نہ تھے بلکہ ان کے مزید سات حصے دار وارث تھے ۔ تین چار سال میں ایک بار ان کی نوبت آتی۔ اس خدمت کے عوض حکومت آصفجاہی نے کاشتکاری کی کچھ زمینات جو کئی ایکٹر پر مشتمل تھیں، مشروط الخدمت عاشور خانے کے تحت بطور انعام مخصوص تھی، جو ان مجاور حضرات کے لئے ذریعہ معاش تھی۔ تمام حصہ دار مل کر کاشت کرتے اور اس سے حاصل شدہ آمدنی آپس میں تقسیم کر لیتے۔ اسی طرح ہر سال علم اور تعزیہ داری سے حاصل ہونے والی آمدن ، نذرانے ، چڑھاوے وغیرہ بھی آپس میں تقسیم ہوتی۔ یہ خاندان اس مشروط الخدمت آراضی سے کئی برسوں سے مستفید ہو رہا تھا۔

جب محمد سرور صاحب اور ان کے برادر اکبر محمد افضل صاحب نے اپنے مشرکانہ عقائد سے توبہ کی اور عقیدۂ توحید کو اپنایا تو ان لوگوں نے اپنے والد محترم سے خواہش کی کہ عاشور خانہ کی اس خدمت سے باز آجائیں اور مشروط الخدمت انعام یافتہ آراضی کو خیر باد کہدیں۔ ان کے والد محترم جو خود بھی اپنے مشرکانہ عقائد سے توبہ کی تھی، اس کے لئے راضی ہو گئے ۔ یہ ان حضرات کی ایک اعلیٰ ترین قربانی تھی۔

اس پر خاندان کے دیگر وارثین حصہ داروں نے بڑی شد و مد کے ساتھ انکار کر دیا اور سخت ترین مخالفت کی۔ اپنے حصہ داروں کی اس مخالفت کے پیش نظر جناب محمد سرور اور جناب محمد افضل صاحبان نے متعلقہ تحصیل کی طرف مراجعت کی تو تحصیلدار صاحب نے بھی اس مشروط الخدمت انعامی آراضی پر کچھ کرنے سے معذرت کر لی۔

لہٰذا یہ دونوں برادران خاندانی وراثت کے اس حصہ سے اپنی دست برداری کی خاطر عدالت سے رجوع ہوئے اور ہزار کوششوں کے بعد عدالت نے ان دونوں برادران کو موروثی وراثت سے علیحدہ کر دیا۔ پھر انہوں نے اپنی اولاد کو بھی اس میں بید خلی کا فیصلہ حاصل کیا، تاکہ مشرکانہ عقیدہ پر مشروط الخدمت آراضی کے استفادہ سے خود بھی بچ سکیں اور ان کی آئندہ نسل بھی محفوظ رہے۔ ایک قانون عہد نامہ تحریر کر دیا کہ ہم مسلمان ہیں۔ اس کی شرعی حیثیت سے ناواقف تھے۔ اب جبکہ اس کی شرعی حیثیت ہمیں آشکارہ ہو چکی ہے تو ہم اس سے دستبردار ہوتے ہیں اور آئندہ ہماری اولاد کو بھی اس پر کوئی حق نہ ہو گا۔

اس ایثار و قربانی کو دیکھ کر اس وقت کے غیر مسلم چمن اور تحصیلدار صاحبان انگشت بدندان رہ گئے۔ کسی نے انہیں بے وقوف کہا، کسی نے پاگل ، کسی نے طعنہ زنی کی کہ اب تم گداگری کرو گے اور بچوں کو بھوکوں مارو گے وغیرہ۔ جتنی زبانیں تھیں، اتنی باتیں انہوں نے سننا گوارا کر لیا لیکن اس مشروط الخدمت آراضی کی پیداوار سے ایک دانہ بھی لینا گوارا نہیں کیا۔

ان بزرگوں کا یہ مخلصانہ نیک نیتی پر مبنی عمل تھا جو نہ صرف ان کو بلکہ ان کی ساری نسل کو اس ناجائز غذا سے محفوظ رکھا اور انہیں اپنی نفرت وحمایت سے اسی خوش حال زندگی عطا فرمائی کہ آپ اپنے خاندان میں یہ قابل رشک ہیں۔ وللہ الحمد

اللّٰهُمَّ إني أعوذبك من زوال نعمتك

کسب معاش: جناب محمد سرور محمدی نے رزق حلال کی خاطر سخت جانفشان محنت کی ہے جو خادمان دین کے لئے قابل عبرت اور مثالی ہے۔ موصوف نے اپنا ذریعہ معاش پیشہ تجارت کو اختیار کیا۔

آپ تھیلیوں (ہینڈ بیگ) کی تجارت کرتے ، تھیلیوں کی تیاری میں بڑی جوکھم ہوتی۔ وہ خود ہی صناع تھے اور کاریگر بھی، خود ہی نوکر تھے اور حمال بھی، اور خود

ہی تاجر بھی تھے اور منیم بھی۔ نماز فجر کے بعد ہی سے اس میں مشغول ہو جاتے، تھیلیوں کے لئے ٹاٹ اور قدیم مستعملہ کپڑے اور ناکارہ سمنٹ کے تھیلے اور ریگزین وغیرہ بازار سے خریدتے۔ ان کی صفات کرتے، ان کو تھیلیوں کے قابل بناتے، بسا اوقات ان کی گرد وغبار ان کے جسم پر اتنی جم جاتی کہ انہیں پہچاننا بھی مشکل ہو جاتا، پھر ان کا سائز بناتے، کٹنگ کرتے، خود ہی ان کی سلائی کرتے، گاہے گاہے ایک دو کاریگر کو ساتھ لے لیتے پھر انہیں خوشنما وخوبصورت بنانے کی خاطر مختلف طرز کی رنگریزی کرتے، عصر تک مصروف رہتے، عصر کی نماز کے بعد بازار لے جاتے اور رات کا ایک حصہ بیتنے تک فروخت کرتے اور گھر دسنی کے وقت اپنی کمائی ہوئی پونجی سے اہل وعیال کے لئے راشن لے آتے اور کبھی دور دراز علاقوں سب جا کر اپنا مال سپلائی کرتے۔ حیدر آباد کی سبزی مارکٹوں کے بعض دوکاندار بھی ان کے گاہک تھے۔ تھیلوں کی تیاری میں کٹنگ کے بعد جو ناکارہ ٹکڑے بچ جاتے وہ ان کے گھر کا ایندھن تھے۔ اپنی عمر عزیز کا ایک طویل حصہ اسی حالت میں گزار دیا۔ جب ضعف غالب آنے لگا اور قویٰ جواب دینے لگے تو حیدر آباد سے خارج علاقوں کا دورہ موقوف کر دیا۔ صرف حیدر آباد کی معروف سبزی مارکیٹ میر عالم منڈی کی اپنی دوکان میں ہی دیگر تاجروں سے تیار مال خرید کر فروخت کرنے لگے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ما أكل أحد طعاما قط خيرا من أن يأكل من عمل يديه ، وان نبي الله داؤد عليه السلام كان يأكل من عمل يده.»

”کوئی شخص کبھی کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا جو اپنے ہاتھوں سے کما کر کھایا، اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھوں سے کما کر کھاتے تھے۔“ (صحیح بخاری)

مسجد شعبان خان:

یہ مسجد محلہ فتح دروازہ میں لب سڑک چوراہا کے قریب واقع ہے، یہ بہت قدیم مسجد ہے۔ اس کی ایک تاریخ ہے۔ جناب محمد سرور محمدی صاحب محلہ مئیر آباد سے منتقل ہو کر جب فتح دروازہ تشریف لائے، تو انہیں سنت کے مطابق نماز ادا کرنے کے لئے مسجد کی ضرورت تھی، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی

« صلوا كما رأيتموني أصلي »

”تم اسی طرح نماز پڑھو جیسا تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔“ (صحیح بخاری) کے مطابق نماز ادا کریں، بالعموم پابند اہلحدیث حضرات، سنی وہابی اور مقلد اور غیر مقلد، آمین بالجہر، رفع الیدین وعدم رفع الیدین کی نزاعات سے بچنے کی خاطر ادائیگی صلوٰۃ کے لئے غیر مسلکی مساجد نہیں جاتے۔

محمد سرور صاحب نے محلہ کا معاینہ کیا تو یہ مسجد محلہ کے ایک گوشہ میں بالکل ویران، غیر آباد پڑی ہوئی تھی جس میں کوڑا، کچرا اور غلاظت سے اٹے ہوئے ناپاک کپڑے پڑے ہوئے تھے۔ گھاس اگی ہوئی اور قمار بازی اور فحش کاری کا اڈہ بن گئی تھی، مگر وہ تنہا تھے، اس کی آبادی کے لئے معاون کی ضرورت تھی کیونکہ عموماً ویرانے، لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں، جب وہ آباد ہو جاتے ہیں تو ہر ایک کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ لہٰذا موصوف نے اپنے بڑے بھائی محمد افضل صاحب کو توجہ دلائی کہ وہ بھی اسی محلہ میں منتقل ہو جائیں تاکہ اس مسجد کو آباد کر سکیں۔ جب بڑے بھائی صاحب نے اس محلہ کا معاینہ کیا اور مسجد کا مشاہدہ کیا تو وہاں منتقل ہونے پر راضی ہو گئے اور اس سے قریب. ہی ایک مکان خرید کر مشیر آباد سے منتقل ہو چکے۔

ان دونوں برادران نے بڑی ہمت اور جرات سے کام لیا اور مسجد کے متولی صاحب کا پتہ دریافت کرتے ہوئے ان سے جا کر ملاقات کی اور مسجد کو آباد کرنے کے لئے ان سے اجازت چاہی۔ تو متولی صاحب جو بلدیہ میں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور دریافت کیا کہ آپ لوگ کون ہیں؟ جب انہیں تفصیل بتائی گئی تو خوش ہو کر کہا کہ آپ لوگ بخوشی اس کو آباد کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کی توفیق دی ہے تو میں روکنے والا کون؟ جب کہ اہل محلہ نے اس کو جوا خانہ بنا دیا ہے۔

اس ملاقات کے بعد دونوں برادران نے مسجد کی صفائی ستھرائی کی اور چراغ وپانی کا انتظام کیا، کھجور کے پتوں کی چٹائیاں (بوریے) بچھا دیئے اور نماز شروع کر دی اور پنج وقتہ اذان کا اہتمام کرنے لگے۔ چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ اس میں آوارہ زندگی بسر کرنے والے اہل محلہ کے ملی بھگت اوباشوں سے سابقہ پڑا، کئی بار ہاتھا پائی ہوئی، ان آواروں نے ان دونوں برادران کو مارا پیٹا اور ہر روز مسجد کی چٹائیاں، چراغ، پانی کے گھڑے، لوٹے وغیرہ غائب کرنا شروع کر دیا۔ مسجد میں روشنی کے لئے ایک مٹی کے تیل کی چمنی اور مٹی کا تیل محفوظ کرنے کے لئے ایک بوتل، اور چراغ روشن کرنے کے لئے ایک ماچس کی ڈبیہ رکھی گئی۔ ہر روز مغرب کے ساتھ ہی مٹی کے تیل کی چمنی روشن کی جاتی اور ہواؤں سے حفاظت کے لئے ایک چمنی دان میں رکھی جاتی۔ لیکن اہل محلہ کی ستم ظریفی یہ کہ وہاں سے ہر چیز غائب کر دی جاتی، کبھی چمنی، کبھی ماچس، کبھی تیل کی بوتل، کبھی جھاڑو، کبھی چٹائیاں، کبھی پانی کے گھڑے، کبھی لوٹے۔ ہر دن کوئی نہ کوئی چیز غائب کر دی جاتی۔ یہ سلسلہ ایک طویل مدت تک چلتا رہا۔

اس پر مستزاد یہ کہ جب اہل محلہ کو یہ خبر ہوئی کہ

مسجد کو آباد کرنے ولے دو وہابی ہیں، تو مسجد میں شب باشی کرنے والے اوباشوں سے ساز باز کرلی اور ان دونوں برادران کو آئے دن دق کرنا شروع کر دیا، اکثر و بیشتر فجر کے وقت ان اوباشوں سے سابقہ پڑتا، جبکہ پوری شارع سونی اور پورا بازار خاموش رہتا اور کچھ تاریکی باقی رہتی۔

الحمد للہ، دن بدن کچھ ہم خیال لوگ ملتے رہے اور عرصہ کے بعد کچھ ہم عقیدہ احباب بھی اس محلہ میں آباد ہونے لگے۔ اس طرح مسجد آباد ہوتی رہی۔ جب مصلیوں کی تعداد بڑھنے لگی تو بدعتی اہل محلہ کے ملوں میں سانپ کھیلنے گئے۔

ایک بار وفد کی شکل میں وہ مسجد کے متولی کے ہاں پہنچے اور انہیں مختلف طریقوں سے ورغلایا اور یہ باور کرایا کہ وہابیوں نے مسجد پر قبضہ کرلیا ہے۔ تو متولی صاحب نے انجانے سے دریافت کیا، وہابی کون ہوتا ہے؟

توانہیں یہ بتلایا گیا کہ یہ لوگ فاتحہ نہیں پڑھتے ہیں، درود نہیں پڑھتے ہیں، ولیوں کو نہیں مانتے ہیں، پیران پیرا شیخ عبدالقادر جیلانی کا انکار کرتے ہیں۔ نذر و نیاز نہیں چڑھاتے، ائمہ کو گالیاں دیتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

تو متولی صاحب نے دریافت کیا، تم لوگ کہاں رہتے ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ تم مسلمان ہو؟. اس محلہ میں کتنے سال سے رہتے ہو؟ ہماری مسجد کتنے سال سے ویران پڑی ہوئی ہے؟ اس مسجد میں کیا ہوتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

پھر کہا کہ تم لوگوں کو شرم آنا چاہیے کہ تم لوگوں نے اس محلہ میں برسہابرس سے رہ کر بھی مسجد کو جوا خانہ بنادیا تھا، فحاشی کا اڈہ بنادیا تھا، اس وقت تمہیں مسجد کی بے حرمتی پر غیرت نہیں آئی اور کبھی تم نے مجھ سے کوئی شکایت نہیں کی لیکن اب جبکہ وہ لوگ میری مسجد کو آباد کر رہے ہیں، اذان اور نماز کا اہتمام کر رہے ہیں، مسجد کو آباد کر رہے ہیں تو شکایت لے کر چلے آئے ہو۔ یہ لوگ مسجد کا حق ادا کر رہے ہیں، تم جیسا اس کو فحاشی کا اڈہ نہیں بنا رہے ہیں، لہذا انہیں دھتکار دیا اور کہا کہ

ان لوگوں نے مسجد آباد کرنے سے پہلے مجھ سے اخلاقاً اجازت حاصل کرلی ہے۔ یہ میرے علم میں ہے، آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ جب متول صاحب سے یہ سوکھی سنی تو بقول شاعر:

بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچہ سے ہم نکلے

محلہ کے بدعتیوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آئے دن نوع بنوع نزاعات کھڑے کرتے رہے۔ جب مسجد کی آبادی اچھی خاصی ہوگئی اور مسجد کے آباد ہوئے برسہابرس گزر گئے، تو منچلے بدعتیوں نے اس پر قبضہ کرنے کی ٹھان لیے۔

ان دنوں حیدرآباد میں وہابیوں کی مسجدوں پر قبضہ کرنے کی ایک مہم زوروں پر چل رہی تھی، مار توڑ، جنگ و جدال اور قوت آزمائی کے ساتھ کئی مسجدوں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ بالآخر اسی قماش کے چند نوجوانوں نے اس مسجد پر بھی یلغار کردی لیکن الحمد للہ جناب محمد افضل محمدی اور محمد سرور محمدی نے عدالتی قانونی چارہ جوئی کے ذریعہ اس کی دلیرانہ مدافعت کی اور تمام کو مچلکہ پر پابند کرادیا۔

اسی طرح مسجد سے متصل، مسجد کے علاقہ کے ایک مکان پر مسجد کی نگرانی اور صفائی کی غرض سے رہنے والی ایک خاتون کے داماد نے مکان پر قبضہ کرلیا۔ اس کا تخلیہ کروانے کے لئے تقریباً 10 سال عدالتی کاروائی اور زمین کے مراحل سے گزرنا پڑا۔

بالآخر آپسی سمجھوتہ کے ذریعہ زر کثیر معاوضہ دے کر تخلیہ کر دیا گیا اور مسجد کے بعض حصوں پر بحیثیت کرایہ دار بعض نادہندہ کرایہ دار قابض تھے، ان سے مسجد کے ان حصوں کو حاصل کر لیا گیا۔ پھر مسجد کے متولی صاحب، جو اپنے والد محترم سابق متولی کے انتقال کے بعد متولی تھے، اُن سے اوران کے جائز ورثاء سے سمجھوتہ کے ساتھ زر کثیر ادا کر کے اس مکان کو خرید لیا گیا، اور اسی زر خرید مکان پہ اب دو منزلہ شاندار مسجد اہلحدیث تعمیر کی گئی ہے۔ جو چوبیس گھنٹے مصلیوں کے لئے کھلی رہتی ہے اور نمازوں میں اور بالخصوص خاص مواقع پر اور جمعہ کے دن تل دھرنے کی جگہ نہیں رہتی اور قدیم مسجد شعبان خان میں خواتین کی صلاۃ کا اہتمام کیا جاتا ہے اور آج اس مسجد کو جمعیت اہلحدیث حیدرآباد کی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

یہ ساری ترقی جناب محمد افضل محمدی اور ان کے برادر خورد جناب محمد سرور محمدی کی جہد مسلسل، ایثار و قربانی، جفاکشی و محنت کا نتیجہ ہے، جو ان کے حق میں ان شاء اللہ ہمیشہ کے لئے صدقہ جاریہ رہے گا۔ تا قیام قیامت اس مسجد کی تاریخ، ان دونوں بزرگوں کی جان جوکھم تاریخ سے زندہ و پائندہ رہے گی۔

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ گھس جانے کے بعد

اللہ تعالیٰ اس مسجد کے ان کے اور ان کے متعلقین کے حق میں مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

پھلا پھولا رہے یا رب چمن میری امیدوں کا
جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں!

☆☆☆☆

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ضعیف حدیثوں پر عبادات کے باب میں اس وقت عمل کیا جائے گا جب کہ اس کی اصل صحیح دلیل سے ثابت ہو لیکن پندرہ شعبان کی روایت کو منانے والے جشن کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔"

(اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ 2/ 26)

عمدة الأحكام

عمدة الأحكام، نماز (فرض) کے بعد مسنون اذکار سے متعلق

فضل الرحمٰن حقانی، خطیب وامام محمدی مسجد نیلسن یو کے

(قسط 55)

نماز (فرض) کے بعد مسنون اذکار سے متعلق

حدیث نمبر:130

عَنْ سهل بن سعد الساعدي رضي الله عَنْه، أنّ رِجالاً تماروا في مِنْبَرِ رسول الله ﷺ، مِنْ أَيِّ عُودٍ هُوَ؟ فقال سهل : مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ، وَقَدْ رَأَيْتُ رسولَ الله ﷺ قَامَ عَلَيْهِ، فَكَبّرَ، وَكَبّرَ النّاسُ وَرَاءَهُ، وَهُوَ عَلَى الـمِنْبَرِ، ثمّ رَكَعَ، فَنَزَلَ الْقَهْقَرَى، حَتّى سَجَدَ فِي أَصْلِ الْمِنْبَرِ، ثمّ عَادَ حَتّى فَرَغَ مِنْ آخِرِ صَلاَتِهِ، ثمّ أَقْبَلَ عَلَى النّاسِ, فقال : «يَا أَيُّهَا النّاسُ، إنّمَا صَنَعْتُ هذَا لتَأْتَمُّوا بِي، وَلِتَعَلّمُوا صلاتي». وفي لفظٍ، «فصلى وهو عَلَيْها، ثم كبّر عليها، ثم رَكَعَ وَهُوَ عَلَيْهَا، ثمّ نَزَلَ القَهْقَرى». (رواه البخاري، كتاب الجمعة، باب الخطبة على المنبر، برقم 917، وذكره البخاري مفرقاً: 377، و448، و917 ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز الخطوة والخطوتين في الصلاة: 544)

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

سیدنا حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کا رسول اللہ ﷺ کے منبر کے بارے میں اختلاف ہو گیا کہ یہ کس لکڑی کا ہے حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جنگل کے جھاؤ نامی درخت کا بنا ہوا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ اس پر کھڑے ہوئے اللہ اکبر کہا لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے اللہ اکبر کہا اس حال میں کہ آپ منبر پر ہی تھے پھر آپ نے رکوع کیا پھر ایڑیوں کے بل پچھلی جانب نیچے اترے اور منبر کی جڑ میں سجدہ کیا پھر لوٹے یہاں تک کہ آپ نماز سے فارغ ہوئے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:

”لوگوں یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ تم میری اقتداء کرو اور تم میری نماز سیکھ لو ایک روایت میں ہے کہ آپ نے منبر پر نماز پڑھی پھر اللہ اکبر کہا پھر رکوع کیا اور آپ منبر پر ہی تھے پھر پچھلے پاؤں نیچے اترے۔“

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی:

1 - رِجَالٌ: رجل کی جمع ہے یعنی دو سے زیادہ مرد/لوگ۔ 2 - تَمَارَوْا: وہ جھگڑے، باہمی اختلاف کیا۔ 3 - عُوْدٌ: لکڑی۔

4 - طَرْفَآءِ: جھاؤ کا درخت۔

5 - كَبَّرَ: اللہ اکبر کہا۔

6 - ثُمَّ رَكَعَ: پھر اس نے رکوع کیا۔ 7 - وَرَآءَهٗ: اس کے پیچھے۔

8 - الْقَهْقَرٰى: پچھلے پاؤں پلٹنا/چلنا۔

9 - اَصْلُ الْمِنْبَرِ: منبر کی جڑ/منبر کے قریب ترین۔

10 - صَنَعْتُ: میں نے کیا

11 - لِتَأْتَمُّوْا: تاکہ تم میری اقتداء کرو۔

12 - وَلِتَعَلّمُوْا صَلَاتِيْ: اور تم میری نماز سیکھ لو ۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام:

1۔ اختلاف کی صورت میں کبار علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے جیسا کہ اس حدیث میں تابعین نے کیا۔

2۔ کسی مسئلہ میں اختلاف رائے کا ہو جانا معیوب نہیں معیوب تب ہے جب واضح دلیل کے آجانے کے بعد بھی انسان اپنی یا کسی دوسرے کی رائے پر جم جائے۔

3۔ امام تعلیم / مصلحت کی غرض سے مقتدیوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

4۔ بغیر ضرورت و مصلحت کے امام کا مقتدیوں سے اونچی جگہ پر کھڑا ہونا پسندیدہ نہیں ہے البتہ تعلیم وغیرہ کے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

5۔ نماز کے دوران ضرورت کی حرکت نماز کو نقصان نہیں پہنچاتی ہے۔ البتہ بے جا حرکت نماز میں خشوع کے منافی ہے۔

6۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام اگر کوئی خلاف عادت کام کرے تو اسے چاہیے کہ عامۃ الناس کے سامنے اس کی وضاحت کر دے تاکہ شکوک و شبہات پیدا نہ ہوں۔

7۔ خطبے وغیرہ کے لئے منبر کا استعمال سنت و مستحب ہے۔

8۔ نماز کا معاملہ اس قدر اہم تھا اور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کی تعلیم میں از حد مبالغے سے کام لیا، حتیٰ کہ منبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھ کر دکھائی تاکہ لوگ نماز کے طریقے کو اچھی طرح جان لیں۔

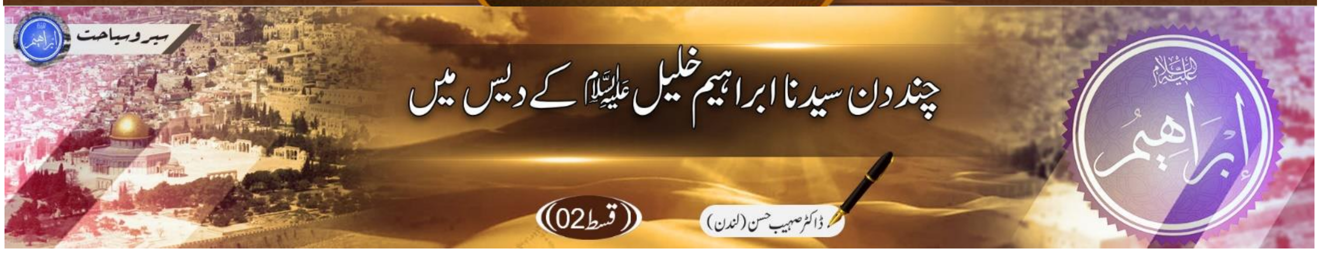
9۔ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء بالعموم اور نماز میں بالخصوص فرض ہے۔

10۔ طلباء کو اہم علمی مسائل کے ساتھ ساتھ بعض دیگر ضروری امور کی معرفت بھی حاصل کرنی چاہیے۔

11۔ بعض اہل علم کے نزدیک یہ نماز نفل تھی اور بعض کے نزدیک یہ جمعہ کے دو فرض تھے۔

12۔ بعض دوسری روایات میں اللہ اکبر کے بعد قرات کا بھی ذکر ہے۔

13۔ لکڑی وغیرہ کے تختے پر نماز پڑھنا درست ہے۔



چند دن سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کے دیس میں

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

(قسط02)

پچھلی سطور میں تبایا گیا تھا کہ 'اُورفا' (ترکی) جانے کا مقصد یورپین کونسل برائے فتوی اور تحقیق کے سالانہ اجلاس کی حاضری تھی۔

کونسل کے لئے پورے دو دن مختص کیے گئے تھے، روزانہ صبح چار گھنٹے کا ایک اجلاس 9 بجے سے ایک بجے ظہر تک اور پھر دوسرا شام کا اجلاس چار سے آٹھ بجے تک مع وقفہ استراحت (تقریباً آدھا آدھا گھنٹہ)

ان 2 دنوں میں میں تحقیقی مقالات کا خلاصہ پیش کیا گیا اور پھر مزید بحث اور تمحیص کا موقع دیا گیا۔ آخری 2 اجلاسوں میں پیش کردہ فتاوی پر غور کیا گیا۔ سوالات کے ساتھ مفتیان کرام کے جوابات منسلک تھے اور ہر جواب کا بغور جائزہ لیا گیا اور اتفاق رائے سے منظوری دی گئی۔ یہ فتاوی 'سوالات اور ان کے جوابات' کے عنوان سے علیحدہ اشاعت پذیر ہوتے رہیں گے، ہم اپنے سفرنامے کا تسلسل جاری رکھتے ہیں۔

قیام کے تیسرے روز علی الصبح ہمارا قافلہ بس میں حرّان کی طرف روانہ ہوا جو شام (Syria) کی جانب واقع ہے، 'اورفا' سے فاصلہ 50 کلومیٹر کا ہے اور اگر مزید 15 کلومیٹر آگے بڑھتے رہیں تو شام کی حدود تک پہنچا جاسکتا ہے۔ منتظمین نے از راہ کرم ایک مرسیڈیز مہیا کر دی تھی، جس کی اگلی نشست پر جناب اکرم کلش (سابق صدر مجلس اعلیٰ برائے اسلامی امور، ترکی) اور پچھلی دو نشستیں میں نے اور جناب ڈاکٹر علی قرہ داغی (صدر اتحاد العلماء) نے سنبھال رکھی تھیں۔ میری اہلیہ نواسے سنان کے ساتھ بس کی سواری کا مزہ لے رہی تھیں۔

قدامت کے اعتبار سے یہ شہر ایک بھرپور تاریخ رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے 'اورفا' سے نکلنے کے بعد حرّان کا رخ کیا اور پھر وہاں ایک طویل عرصہ قیام کیا۔ ان کی اولاد میں سے حضرت اسحاق اور پھر ان کے پوتے یعقوب علیہما السلام کی یادیں شہر سے وابستہ ہیں۔ ساتویں صدی ہجری میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا خاندان اس شہر کے باسیوں کو اپنے علم اور درس وتدریس سے نوازتا رہا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ابھی بچے تھے کہ تاتاریوں کے حملوں کے خوف سے ان کا خاندان دمشق کی طرف ہجرت کر گیا اور پھر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ساری زندگی مصر و شام کی نذر ہو کر رہ گئی۔ (اسلامی انسائیکلو پیڈیا: 2/839) سے حرّان کے بارے میں چند اقتباسات ملحوظ ہوں:

"حرّان وہ شہر ہے جہاں کے باشندوں کا مذہب بت پرستی تھا۔ شمالی عراق میں چھوٹے سے دریا جلاب پر واقع ہے۔ جہاں ایشیائے کوچک، شام اور عراق کو جانے والے اہم کاروانی راستے ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں۔ آج کل ترکی مقبوضات میں شامل ہے، 'اورفا' سے صرف ایک دن کی اور 'رِقّہ' سے دو دن کی مسافت پر ہے۔

حرّان ایک قدیم شہر ہے اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش خیال کیا جاتا ہے۔ یہ چاند دیوتا سین کا گھر تھا۔ "البیرونی نے اسے سین ہی سے منسوب کیا ہے۔ اس شہر کی شکل چاند سے مشابہ ہے۔ "

حرّان شہر پر عربوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں 9ھ / 240ء میں بغیر لڑائی کے قبضہ کیا تھا۔ اس دور میں یہ شہر دیار مصر کے اہم ترین شہروں میں سے تھا۔ البلاذری نے لکھا ہے کہ اس شہر نے عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کے آگے ہتھیار ڈالے تھے۔ ابن ابی اصیبعہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے طب کے ایک مدرسے کو اسکندریہ سے حران میں منتقل کر دیا تھا۔ مروان ثانی نے یہاں سکونت اختیار کر کے اسے اموی سلطنت کا دار الحکومت بنایا۔ حران کی پہلی مسجد اس کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ یعقوبی کے بقول مروان نے اپنا محل اس مقام پر بنایا تھا جو دباب البین کہلاتا تھا۔ اور اس کی تعمیر پر ایک کروڑ درہم خرچ کیے تھے۔ جب بنو عباس نے ایران اور عراق کے بیشتر حصے پر قبضہ کر لیا تو مروان ثانی عباسی فوج سے جنگ کرنے کے لیے حران ہی سے بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوا تھا۔ ہارون الرشید نے دریائے جلاب سے حران تک ایک نہر بنوائی تھی۔

عباسی عہد کے آغاز میں یہ شہر مترجمین کے ایک اہم مکتب کا گھر تھا۔ مشہور مترجم البتانی بھی حران ہی کا باشندہ تھا۔ یہ شہر حنبلیوں کا بھی اہم مرکز تھا۔ سلطان نور الدین زنگی نے اس شہر پر 544ھ / 1149ء میں قبضہ کیا۔ سلطان صلاح الدین نے اپنے عہد حکومت میں شہر کی جامع مسجد کی توسیع کی، کیونکہ اس کے عہد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تھی۔ 577ھ / 1191ء میں صلاح الدین نے حران اپنے بھائی ملک عادل کو پیش کر دیا جس نے قلعے کو از سر نو تعمیر کیا۔

مشہور عالم دین امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہیں پیدا ہوئے تھے۔ 670ھ / 1271ء میں حران پر ناکام مہم کے بعد مغول نے یہاں کے باشندوں کو موصل اور ماردین میں منتقل کر کے اس شہر کی مسجدوں اور دیگر عمارتوں کو تباہ کر ڈالا اور دروازوں کو اینٹوں سے چنوا دیا۔

شہر کی یادگار عمارتوں اور کھنڈروں میں بڑی مسجد یا

جامع الفروس قلعہ، ایک باسلیکی کلیسا، مسجد کے جنوب میں ایک بڑا ٹیلا نیز مقبرہ شیخ حیات وغیرہ ہیں۔ (840/2)

حران سے فلکیات کے ایک مشہور عالم ابوعبداللہ بُتانی (ف929م) بھی نسبت رکھتے ہیں، حران کے قریب پیدا ہوئے گو خاندان صابی مذہب سے تعلق رکھتا تھا لیکن وہ خود مسلمان تھا۔اس نے ساری زندگی 'الرقہ' میں گزاری۔ علم ھیئت اور فلکیات پر اس کی متعدد تصانیف ہیں جن میں 'الزیج' ایک نہایت علمی کارنامہ شمار کیا جاتا ہے۔(345/1)

ہم ایک گھنٹے میں حران جا پہنچے، ہمارے گائیڈ ہمیں سب سے پہلے ایک بڑے سے احاطے میں لے گئے جہاں ہمارے سامنے ایک مسجد کا صدر دروازہ تھا جو چھٹی صدی کے ایک عالم شیخ حیات بن قیس الحرانی سے منسوب ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ اپنے صلاح اور تقوی کی بنا پر مرجع خواص و عوام تھے ۔ سلطان نور الدین زنگی جب صلیبی فوجوں سے قتال کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو انہوں نے شیخ سے دعا کی درخواست کی، انہوں نے پوری عاجزی کے ساتھ دعا کی اور سلطان کو اپنی مہم میں کامیابی حاصل ہوئی۔

پھر صلاح الدین ایوبی کا بھی وہاں سے گزر ہوا جو موصل پر قبضے کے ارادے سے نکلے تھے ۔ شیخ نے انہیں اس مہم جوئی سے منع کیا لیکن صلاح الدین اپنے ارادے پر قائم رہے، شیخ کی نصیحت پر عمل نہیں کیا اور بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنے ارادے میں ناکام رہے۔

ہم گائیڈ کی رہنمائی میں مسجد کے ایک پچھلے دروازے سے داخل ہوئے ۔ داخل ہوتے ہی ہمارے دائیں طرف شیخ حیات کا اونچا سا مرقد چادر میں ڈھکا نظر آیا۔ اصل قبر نیچے ہے کہ وہاں تک جانے کے لئے باہر سے ایک زینے کے توسط سے رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔مسجد کے سادہ سے ہال میں داخل ہوئے۔ مسجد کی محراب کے اوپر ایک مختصر سا بالا خانہ خطیب جمعہ کے جائے مقام کی نشاندہی کر رہا تھا لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے چند ہاتھ کے فاصلے پر مسجد کی دائیں دیوار کے کونے سے ایک سنگی زینہ نظر آیا جس سے بالا خانہ تک بغیر کسی احاطے کے پہنچنا کارے دارد تھا۔ اس لئے خطیب کی دسترس میں پہلی چند سیڑھیوں تک رکھی گئی تھی کہ وہ کونے پر کھڑا ہو کر خطاب کر سکتا تھا۔

ہمارے میزبان جناب مصطفی دادش نے بتایا کہ وہ اس مسجد میں بیس سال تک امامت اور درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں اور مسجد کے در و بام انہیں خوب پہچانتے ہیں۔ ہم تحیۃ المسجد کی ادائیگی کے بعد صدر دروازے سے باہر نکلے جہاں مسجد کے احاطے سے متصل ایک وسیع قبرستان نظر آیا۔ حران کی قدامت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ کرنا مشکل نہ تھا کہ یہ سرزمین اپنی گود میں کئی صدیوں کی امانتیں تھامے ہوئے ہے۔

ہمارا اگلا پڑاؤ ایک اونچے سے ٹیلے کی چوٹی پر تھا جہاں سے کچھ فاصلے پر نشیب میں ایک پرانی جامع مسجد کے آثار ہویدا تھے ، احاطے کی فصیل، درمیان میں محرابوں پر مشتمل ایک گرانڈیل دیوار، بتایا گیا کہ یہ اسی مسجد کے آثار باقیات ہیں جہاں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے آباء و اجداد نے سالہا سال تعلیم، تدریس اور خطابت کے جوہر دکھائے تھے ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جب تاتاریوں نے اس جہت کا رخ کیا تھا تو امام ذی شان کے والد، اعمام اور دیگر اہل خانہ یہاں سے کوچ کر کے دمشق جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

میری پنڈلی کا درد طویل اترائی اور پھر بوقت واپسی اسی قدر چڑھائی کے لیئے آڑے آرہا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ ہمارے اکثر ساتھی مسجد کے در و دیوار سے قربت کا شرف حاصل کر رہے ہیں تو اپنے رفیق سفر ڈاکٹر اکرم کلش کے ساتھ آہستہ خرامی کرتا ہوا بالآخر باقی ساتھیوں تک جا پہنچا۔

اگر دمشق کی جائے مسجد صدیوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے تو مسجد حران کی ٹوٹ پھوٹ کیسے عمل میں آگئی؟

تاریخ نے اس کا جواب دیا کہ منگولوں نے اس شہر میں داخل ہو کر جہاں انہوں نے اپنی بہیمانہ کاروائیوں سے اہل حران کو نشانہ بنایا، وہاں اس عظیم مسجد کو بھی تہ و بالا کر کے ہوئے اپنی خباثت پر مہر ثبت کرتے گئے ، مسجد کا ڈھانچہ ایک چٹیل میدان میں یکہ و تنہا توحید کا پیغام دیتا نظر آتا ہے۔ موجودہ حران یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے۔ یہ جگہ اب سیاحوں کے لئے مخصوص ہو چکی ہے۔ ایک بلند و بالا مینار جو کبھی عمارت کا حصہ رہا ہو گا اب تن تنہا کھڑا موذن کے انتظار میں ہے۔

اندرونی احاطے کی ایک دیوار اپنی متعدد محرابوں کے ساتھ اپنی قدیم چادر کو اتار کر ایک نئی قبا میں جلوہ گر ہے، گویا عمارت کی تجدید کا پروگرام جاری ہے ۔ گائیڈ نے بتایا کہ اس عظیم مسجد میں آٹھ ہزار نمازیوں کے سربسجود ہونے کی گنجائش تھی۔

مسجد کے کھنڈرات میں چند غیر ملکی جوڑے بھی مٹر گشت کرتے نظر آئے۔

خانوادہ ابراہیم کی نسبت سے حران کا ذکر عہد قدیم (تورات) میں ایک سے زائد مرتبہ آیا ہے، اس لئے یہودی اور عیسائی زائرین کے لئے بھی یہ جگہ باعث کشش ہے۔ حرّان زمانہ قدیم سے قافلوں کی گزرگاہ رہا، اس لئے نہ صرف اپنی قدامت بلکہ تہذیب و تمدن، علم و عرفان اور ریاضیات و فلکیات کی گتھیوں کو سلجھانے والے حکماء اور فلاسفہ کی جولان گاہ بنا رہا ہے۔

ایک وقت تھا کہ قسطنطنیہ (موجودہ استانبول) کے بعد اسے دوسرا بڑا شہر بنایا جاتا تھا۔

احاطے کے اندر ایک دائرہ نما منڈیر نظر آئی تو بتایا گیا کہ یہاں بھی ایک کنواں تھا، جسے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف نسبت حاصل ہے۔

ہم نے ایک خستہ اور شکستہ دروازے سے باہر کا رخ کیا۔ باہر چند بورڈ آویزاں تھے، ایک مسجد کی تاریخ کے لئے اور دوسرا قدیم حرّان کے گلی گوشوں اور شہر

کے چیدہ چیدہ مقامات کے نقوش پا کو ایک بڑے نقشے کی مدد سے واضح کر رہا تھا۔

پھر جیسے ہم خراماں خراماں آئے تھے ویسے ہی آہستہ آہستہ چڑھائی پر چہل قدمی کرتے ہوئے اپنی سواری تک جا پہنچے، دیکھا کہ قافلے کے اکثر ساتھی ایک پرانے قلعے کی طرف پاپیادہ ہی گامزن ہیں۔ ہم نے ایک بار پھر گاڑی کا سہارا لیا۔

یہ قلعہ تھا یا کسی سلطان یا امیر کا قَصر، باہر ہی سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ایک یادگار تصویر بنانے کے ساتھ ہم نے گاڑی میں اپنی سیٹ کو سنبھالا۔ ہماری منزل اب قریب ہی کی وہ بستی تھی جہاں صدیوں پرانا وہ طرز تعمیر باقی رکھا گیا تھا جو حرّان کا طرہ امتیاز تھا۔ ایک اونچے (یا سطح مرتفع) پر واقع ایک بستی جس کے سارے گھر مٹی، گارے اور پختہ اینٹوں کی مرھون منت تھے۔ اگر اس بستی کا فضا جائزہ لیا جائے تو گنبد ہی گنبد نظر آئیں گے، مٹی اور گارے کے گنبد جن کے بیچوں بیچ دھونکنی کی مانند ایک روشندان سا نظر آئے گا، جو نیچے اپنے مکینوں کے لئے روشنی اور حرارت کا پیغام لاتا ہے۔

زائرین کے شوقِ جستجو کو دوبالا کرنے کے لئے ہمیں اس بستی کی سب سے بڑی حویلی کی سیر کرائی گئی، جہاں اس عمارت کے اہل خانہ ہمارے منتظر تھے۔ ہم ایک تنگ سے دروازے میں داخل ہوئے، ایک کوٹھری کے بعد دوسری کوٹھری لیکن بالائی روشندان کی بنا پر اندھیرے کا پردا چاک کرنے میں کامیاب رہی۔

ایک دیوار پر اتاترک کی تصویر دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اس حویلی کے مکین غالباً اس کی زلفوں کے اسیر رہے ہوں گے، جو اس دور افتادہ جگہ پر ابھی تک اس کی یادوں کو تازہ کیے بیٹھے ہیں۔

حویلی کا مالک ایک ادھیڑ عمر کا ترک تھا۔ اس نے اپنا تعارف کرتے ہوئے بتایا کہ یہ حویلی میرے دادا کی تھی جو اپنی چار بیویوں اور 48 بچوں اور پوتوں کے ساتھ اس مکان کی 24 کوٹھریوں کو آباد کیے ہوئے تھا۔بتایا کہ مٹی گارے کی یہ عمارت سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں قدرے خوشگوار رہتی ہے۔

ہم راہداریوں سے ہوتے اس مستطیل کمرے میں پہنچے، جسے بیٹھک یا کمرہ استقبالیہ کیا جا سکتا ہے، یہ وہ واحد کمرہ تھا، جس کے فرش پر چند پرانے قالین اور جس کی دیواروں پر منقش پردے، طغرے، چند تصاویر اور مالائیں آویزہ نظر آئیں۔

دیواروں کے ساتھ گدوں اور تکیوں کے اضافے کے ساتھ عربی طرز کی نشستگاہیں تھیں، جہاں چائے اور قہوے سے تواضع کیے جانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔

ہم وقت کی کمی کی بنا پر ان کی ضیافت سے فیضیاب تو نہ ہو سکے کہ جس کی قیمت ہمیں چکانا پڑتی لیکن میزبان کی خواتین نے حویلی کی چند کوٹھریوں میں عربی حجاب، عبا اور عبایہ کی دکان سجا رکھی تھی اور ان کی پُر زور خواہش تھی کہ ہم انہیں مایوس نہ کریں۔ ہماری خواتین نے چند حجاب اور عبایہ خرید کر ہم سب کی لاج رکھ لی۔

حویلی کے باہر ایک بڑا ساد الان تھا، جس میں دستکاری اور صنعت گری کے نمونے سجائے گئے تھے اور رَحل کی مانند لکڑی کی چھوٹی چھوٹی چوکیاں !!

شاید دن ڈھلے یہاں اہل خانہ قہووں کی چسکیاں لیتے ہوں گے۔

تو یہاں سے گاڑیوں نے چند شاہراہوں کو کاٹتے چھانٹتے ایک اور وسیع احاطے کے سامنے پڑاؤ ڈالا ۔بتایا گیا کہ یہاں ایک تاریخی زیارت گاہ ہے۔

پتھروں کی منڈیر کے پیچھے ایک زیر زمین زینہ دکھائی دیا، گائیڈ نے بتایا کہ یہ وہ کنواں ہے، جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور انہی کے نام سے منسوب ہے اور یہ کہ یہ کنواں خشک نہیں ہے بلکہ ابھی تک 'ماء معین' کا منظر یاد دلا رہا ہے۔ ہمارے کچھ ساتھی چند قدم آگے جا کر اور اس کنوئیں کی منڈیر کو چھو کر حق الیقین کے معارف طے کرتے نظر آئے۔

حران کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک طویل عرصہ ٹھہرے رہے پھر یہاں سے جا کر کنعان میں آباد ہوئے لیکن اپنے بیٹے اسحاق کے لئے بیوی کا انتخاب اسی شہر سے کیا اور ان کا کہنا تھا کہ میں کنعانی بت پرستوں کے دیس میں اپنے بیٹے کو نہ بیاھوں گا بلکہ اپنے آبائی وطن سے ہی اس کے گھر کو آباد کروں گا اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام بھی اپنے بھائی عیسو کے ساتھ مخاصمت کی بنا پر حران دوڑے چلے آئے، جہاں انہوں نے پہلے اپنی عم زاد لیّد سے اور پھر اس کی بہن راحیل (والدہ یوسف اور بنیامین) سے شادی کی اور اس شادی کے لئے انہیں پہلے سات سال لیّد کے لئے اور پھر دوسرے سات سال راحیل کے لئے سسر کی خدمت گزاری کا حق ادا کرنا پڑا۔ چودہ سال تو یہ ہوئے اور پھر مزید چھ سال رہنے کے بعد یعنی کوئی بیس برس حرّان میں گزارنے پڑے اور بھر کہیں وہ کنعان لوٹنے میں کامیاب ہوئے۔

یہ سارا قصہ تورات (تکوین، باب (29) میں مذکور ہے، جس میں ایک ہی خاندان سے وابستہ لوگوں کے درمیان حسد و رقابت کی، شادی کی تگ و دو میں بزرگ قبیلہ کی خدمت گزاری کی اور اہل خانہ کی طرف سے نوادرات بزرگ کی چوری چکاری کی ایک رنگین داستان بڑھنے کے لئے ملتی ہے جو قصہ گو حضرات کی طلاقت لسانی اور ناول نگاروں کی طوالت نگارش کا عنوان بنتی رہی ہے۔

حرّان کے لئے اس سے اچھا تمغہ امتیاز کیا ہو گا جو ہمارے گائیڈ نے ہم سب کے گوش گزار کیا۔

اس نے کہا: حران اپنی آب و ہوا اور خاص طور پر اپنی حرارت گرما اور بُرودت سرما میں مکہ مکرمہ کا ہمنوا ہے اور حیرت اس بات پر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اگر کعبہ کو بنانا ہی تھا تو اتنی دور جانے کی ٹُنک کیا تھی۔ حرّان ہی کو اس خدمت کے لئے انتخاب کر

لیتے تاکہ لوگ اتنا دور دراز جانے کی مشقت سے بچ جاتے!!

ہمارا واپسی کا سفر شاہراہ 'اورفا' کے دونوں طرف روئی کے پودوں، گندم کے خوشوں، کیلے، انگور، مالٹے، انار اور طرح طرح کے پھلوں پھولوں کے مرغزاروں ہوتا ہوا ہمیں اپنی رہائش گاہ تک لے آیا، جہاں اہل حران کے ایک نمائندہ اجتماع سے ملاقات رہی جو ڈاکٹر علی قرہ داغی کا خطاب سننے کے لئے تشریف لا چکے تھے۔ انہی میں جناب بدیع الدین نورسی کے ایک خاص الخاص مرید سے بھی ملاقات ہوئی جو ابھی تک (یعنی دو ماہ گذرنے کے بعد بھی) مجھ غریب کو اپنی نگاہ کرم سے نوازتے رہتے ہیں، یعنی آئے دن مکتوبات نورسی میں سے کوئی منتخب تحریر مجھے واٹس ایپ کیے رہتے ہیں۔

ہماری لندن واپسی اگلے دن کے لئے طے تھی لیکن 'اورفا' سے رخصت ہونے سے قبل ایک اور قابل دید جگہ کا تذکرہ کرتا چلوں جہاں میں خود تو نہ جا سکا لیکن اپنے رفقاء سفر کے مشاہدے کی روشنی میں اور کچھ 'یوٹیوب' کے گلدستہ اسفار کی چھان بین کے بعد ان سطور کو احاطہ تحریر میں لانے کی کوشش کرتا ہوں :

تذکرہ 'اورفا' میں ایوبیہ ڈسٹرکٹ کا حوالہ آچکا ہے، اور یہ نام حضرت ایوب علیہ السلام کی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مانند 'اورفا' شہر کو انہی کے خانوادے کے ایک اور بزرگ یعنی حضرت ایوب علیہ السلام کی جائے ولادت بھی قرار دیا گیا ہے، اس بارے میں ہم ایک دوسری رائے کا بعد میں ذکر کریں گے۔ یہاں اہل 'اورفا' کی روایت کو محل نظر رکھا گیا ہے۔

ہم ایوبیہ ڈسٹرکٹ کے ایک بڑے احاطے کی طرف چلتے ہیں۔ ایک خوبصورت اور عظیم الشان مسجد ہمارے سامنے ہے، جس کا شنڈیلر بھار بھرکم، منبر مرقع عظمت، محراب دیوار قبلہ کی جھومر اور جس کا فرش دیدزیب قالینوں سے آراستہ و پیراستہ اور پھر سامنے چلتے جائیں تو ایک راہداری دو باغیچوں کے جلو میں اور گول گنبد سے معمور محراب نما ڈھانچے تک لے آئے گی، جس کی لوح پر 'ایوب مقام صبر' کی تختی لگی ہے۔ سامنے ایک زینہ ہے جو آپ کو نیچے لے آئے گا۔ اب آپ ایک ایسے چوبی تختہ تک پہنچتے ہیں، جس کے چہار اطراف کی چٹانیں ایک گول دائرہ بناتی ہوئی آڑھی ٹیڑھی چھت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یہاں ایک چھوٹا سا حجرہ بن جاتا ہے جس کے چہار اطراف کو شیشے سے ڈھانپ دیا گیا ہے، جس کے عقب میں ایک غار دکھائی دیا جائے گا، اور یہ ہے حضرت ایوب علیہ السلام کا مقام صبر، جہاں انہوں نے اپنی بیماری یا اپنی آزمائش کے اٹھارہ سال گزار دیئے تھے، ان کا سب کچھ بمع مال اور اولاد ختم ہو چکا تھا۔ صرف ایک رفیقہ حیات باقی تھیں جو ان کی خدمت گزار بھی تھیں، اور مونس و غم خوار بھی، یہیں وہ چشمہ پھوٹا تھا کہ جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ﴾ (سورہ ص 42)

"اپنا پیر یہاں مارو تو ٹھنڈا پانی بھی ملے گا، تمہارے نہانے کے لئے بھی اور پینے کے لیے بھی۔"

اس چشمے نے پھر کنوئیں کی شکل اختیار کر لی جہاں پہنچنے کے لئے آپ کو ایک دوسرا راستہ اختیار کرنا ہو گا۔

مسجد کے باہر آپ کو دو ستون نظر آئیں گے، جن کے درمیان کنویں کی منڈیر تک آپ کو رسائی حاصل رہے گی۔ کنویں کا منہ شیشے سے ڈھانپا جا چکا ہے۔ دونوں ستونوں کے درمیان ایک پلی سے ایک ڈول لٹکتا نظر آتا ہے۔ اس کنویں کا پانی زمزم جیسی قدسیت حاصل کر چکا ہے، چند قدم ایک دکان سے 13 یورو میں آپ ایک بوتل حاصل کر سکتے ہیں۔ دکان کی بغل میں ایک دیوار کے ساتھ چند ٹونٹیاں ہیں جو آپ کی بوتل کو مقدس پانی سے بھر دیں گی اور یوں آپ کی زیارت اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

اب دوسری رائے ملاحظہ ہو:

مقام ایوب کے بارے میں جس رائے کو زیادہ مستند قرار دیا گیا ہے، پیش خدمت ہے:

"بعض محققین کے نزدیک حضرت ایوب علیہ السلام کا زمانہ 1500 تا 1300 قبل مسیح کا ہے۔ امام بخاری نے کتاب الانبیاء میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد اور حضرت موسی علیہ السلام سے پہلے کیا ہے۔ دمشق کے نزدیک "نَوَی" کے مقام پر آپ کا مقبرہ زیارت گاہ خاص و عام تھا، یہاں پر اب تک وہ چٹان موجود ہیں، جس پر آپ نے اپنی آزمائش کا عرصہ گزارا تھا اور وہ چشمہ بھی ہے جس کے پانی سے غسل کر کے آپ تندرست ہوئے تھے۔ (اسلامی انسائیکلوپیڈیا: 1/322)

مختلف دوسرے مصادر میں چند مزید جگہوں کی نشاندہی کی گئی ہے:

1۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا علاقہ حوران (جنوبی شام تا شمال اردن) تک پھیلا ہوا ہے۔ دمشق بھی اس علاقے میں آجاتا ہے۔

2۔ صلالہ (عمان) سے 40 کلو میٹر دور حضرت ایوب علیہ السلام کا مقبرہ بتایا جاتا ہے، یہ جگہ اب زیارت عام و خاص ہے، قریب ہی وہ چشمہ بھی بتایا گیا ہے جس کے پانی سے حضرت ایوب علیہ السلام نے شفا حاصل کی تھی۔

3۔ بلقاء (علاقہ نمکیات، اردن) میں بھی ایک مقام ایوب بتایا گیا ہے۔

5۔ الشیخ سعد (شام، سیریا) میں بھی عیسائیوں کے ہاں عرصہ دراز سے اسی سلسلے کی ایک روایت چلی آرہی ہے۔

'اورفا' کی مناسبت سے یہ تفصیلات قلمزد ہوئیں اور اس کی ساتھ ہمارا یہ سفر نامہ بھی اپنے اختتام کو پہنچا۔

☆☆☆



صالح معاشرہ کی تشکیل کے لئے صالح خاتون کا انتخاب:

صالح معاشرہ کی تشکیل میں عورت کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے، عورت کے کئی کردار ہیں لیکن سب سے اہم کردار نیک وصالح بیوی کی شکل میں ہے کیونکہ اسی سے معاشرہ بنتا ہے اور نسلیں پروان چڑھتی ہیں، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کے لئے لڑکی کے انتخاب میں دین کو معیار بنایا اور اسی معیار کو اختیار کرنے کی تلقین بھی کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تُنكَحُ المَرْءَ ةُ لأَرْبَع : لِمَالِهَا ، وَلِحَسَبِهَا، وَجَمَالِهَا ، وَلِدِيْنِهَا ، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ ، تَرِبَتْ يَدَاكَ»

”عورت سے نکاح چار اسباب کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، اس کے مال کی وجہ سے (کہ وہ کتنی مالدار ہے)، اس کے خاندان کی وجہ سے (کہ کتنا معیاری حسب ونسب ہے)، اس کے حسن وجمال وخوبصورتی کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے، پس تم دین دار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو، اگر ایسا نہ کرے تو تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں (یعنی تو نادم و پشیمان ہو) (صحیح بخاری : 5090 ؛ صحیح مسلم : 1466)

اس حدیث کی تشریح میں فقیہ زمانہ سید سابق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بیوی خاوند کا سکون ہے، اس کی کھیتی ہے، اس کی شریک حیات ہے، اس کے گھر کی مالکہ اور اس کے بچوں کی ماں ہے، اس کے دل کی محبت اور راز و نیاز کی جگہ ہے، یہ خاندان کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، یہ اولاد کو اچھا بنانے والی ہے، بچے اس سے بہت سی خوبیاں اور صفات حاصل کرتے ہیں، اس کی گود میں بچپن کے جذبات بنتے ہیں، اس کے احساسات پرورش پاتے ہیں ماں سے وہ اپنی زبان اور تہذیب وعادات سیکھتے ہیں، اسی سے وہ اپنے دین سے متعارف ہوتے ہیں اور معاشرے کے میل جول کے عادی بنتے ہیں، اس لئے اسلام نے نیک بیوی کے انتخاب کا اہتمام کیا ہے اور اسے بہترین فائدہ قرار دیا ہے کہ جس کا شوق و حرص رکھنا بھی مناسب ہے اور اچھی بات یہی ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرتی ہو، اچھی عادات پر کاربند ہو، خاوند کے حق کا بھی خیال رکھے اور بچوں کی تربیت بھی کرے، جب ہم لڑکی کے انتخاب میں دینی امور کا خیال کریں تو بہت ممکن ہے ہم اپنے گھروں کو ایسا باغ بنا پائیں گے جس میں دل خوش رہے، خاوند سعادت مند ہو نیک اولاد تیار ہو، جس سے امتیں پاکیزہ اور باعزت زندگی گزاریں گے۔“ (فقہ السنہ)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے دیندار لڑکی کی یہ خوبی بیان کی ہے کہ «الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» ”دنیا ساری کی ساری فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور دنیا کا بہترین سامان صالح (نیک و دیندار) بیوی ہے۔“ (صحیح مسلم: 1467)

اسی طرح صالح و دیندار لڑکی کی خوبی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مِنْ سَعَادَةِ ابنِ آدَمَ ثَلَاثَةٌ: وَمِنْ شَقَاوَةِ ابنِ آدَمَ ثَلَاثَةٌ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ : المَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالمَسْكَنُ الصَّالِحُ ، وَالمَرْكَبُ الصَّالِحُ ، وَمِنْ شَقَاوَةِ ابنِ آدَمَ : المَرْأَةُ السُّوءُ وَالمَسْكَنُ السُّوءُ وَالمَرْكَبُ السُّوْءِ» ”تین چیزوں میں اولاد آدم کی خوش بختی ہے اور تین چیزیں بد بختی کی ہیں۔ خوش بختی کی چیزیں یہ ہیں، صالح بیوی، صالح مسکن، صالح سواری بد بختی کی چیزیں یہ ہیں، بری، بیوی، بری رہائش، بری سواری (مسند احمد) نیک وصالح اور دیندار عورت کی اہمیت کا انداز اس حدیث شریفہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب سونے چاندے کے خزانے جمع کرنے کی برائی بیان کی گئی تو صحابہ اکرام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ سونا، چاندے جمع کرنے کی ممانعت بیان کی گئی ہے تو ہم اپنے پاس کونسا خزانہ جمع فرمائیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لِيَتَّخِذَ أَحَدُكُمْ قَلْبًا شَاكِرًا، وَلِسَانًا ذَاكِرًا، وَزَوْجَةً مُؤْمِنَةً تُعِيْنُ أَحَدَكُمْ عَلَى أَمْرِ الْآخِرَةِ »

”تم میں سے ہر ایک کو شکر گزار دل، ذکر کرنے والی زبان، اور امور آخرت میں مدد گار مومنہ بیوی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔“ (سنن ابن ماجہ: 1505)

ان تمام احادیث کے ذریعہ مسلم خواتین کو اس بات کی تربیت دی جارہی ہے کہ وہ اپنا معیار زندگی دین کو بنائیں، یہی کامیاب خاتون کا معیار ہے، دین کو چھوڑ کر وہ زندگی کی خوشیاں اور کامیابیاں حاصل نہیں کر سکتیں۔ یہاں والدین کو بھی اس بات کا پیغام ملتا ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کے معیار کو دین کے ذریعہ سے اونچا کریں کیونکہ ہر معیار کو زوال ہے لیکن دین لازوال ہے، خوبصورتی کسی بھی حادثے کے سبب بدصورتی میں بدل سکتی ہے، خاندانی حسب ونسب و معیار کی نیک نامی زندگی کے کسی بھی موڑ پر بدنامگی

میں بدل سکتی ہے، مالداری وخوشحالی کسی بھی لمحہ تنگ دستی وکنگالی میں بدل سکتی ہے، لیکن دین کا معیار ہمیشہ باقی رہنے والا ہوتا ہے جس کے ذریعہ استقامت وصبر حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے از خود لڑکیوں کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو دین کی تعلیم وتربیت اور شریعت کے مسائل سے آگاہ رکھیں جو ان کی کامیاب زندگی کا سنگ میل ہیں۔ جس کے ذریعہ وہ کامیاب زندگی کا آغاز کر سکتی ہیں۔ خلع وطلاق کے سینکڑوں واقعات ہمارے معاشرے میں پیش آتے ہیں اس کے اسباب پر روشنی ڈالی جائے تو ٪80 فیصد ایسے واقعات ہوتے ہیں جس کا سبب دینی تعلیم اور احکام و مسائل سے ناواقفیت ہوتی ہے۔ والدین جہاں اپنی لڑکیوں کو معیاری تعلیم دلانے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں وہیں ان کی دین کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی جد و جہد کروائیں ، باقاعدہ اسلامی تعلیم و تربیت کے کورس کروائیں۔ صرف نماز، روزے کے ذریعہ سے ہی ساری دینداری حاصل نہیں ہوتی بلکہ عقائد وعبادات کا علم حاصل کرنا، مسائل سے واقفیت اختیار کرنا، حلال و حرام کے احکام کو جاننا ضروری ہوتا ہے۔ اگر ان تمام باتوں کا علم نہ ہو تو صالح معاشرہ کی تشکیل ممکن نہیں ہوگی جس کے سبب اولاد کا تابناک مستقبل برباد ہو جائیگا۔ بیوی پر شوہر کے حقوق شوہر کی بھی معیار کا کیوں نہ ہو، بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت گزار بن کر رہے، شوہر کی رضامندی اور اس کی خوشنودی ہی اس کی کامیابی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ

قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ؟ قَالَ: الَّتِي تَسُرُّهُ إِذَانَظَرَ وَتُطِيْعُهُ اذَا أَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهُ فَى نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ

”رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی عورت سب سے بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایسی عورت کہ جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے، جب وہ اسے کسی کام کا حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے، اس کی جان ومال کے حوالے سے اس کا شوہر جس چیز کو بھی پسند کرتا ہو اس میں اس کی مخالفت نہ کرے۔“ (سنن نسائی : 3231؛ صحیح الجامع الصغیر:3298)

شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری، خوشنودی ورضامندی ہی عورت کے لئے جنت کی ضمانت ہے رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

«إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَصَّنَتْ فَرْجَهَا وَأَطَاعَتْ زَوْجَهَا قِبْلَ لَهَا ادْخِلِي مِنْ أَى أَبْوَابِ الجَنَّةِ شِئْت»

”جو عورت پانچوں وقت کی نمازیں ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے، اسے قیامت کے روز کہا جائیگا کہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔“ (صحیح ابن حبان:4163)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے بہترین عورت کی صفت یہ بیان کی کہ

« وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ »

”جب اس کا شوہر اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے۔“ (ارواء الغلیل : 1786)

جب بھی شوہر کسی کام کا حکم دے تو اسے بجالائے اور کسی چیز سے منع کرے تو ترک جائے، بیوی کے لئے شوہر کے حکم سے بڑا کسی کا حکم نہیں ہو سکتا اس کے حکم کی بجاآوری ہو تو زندگی خوش رہے گی کیونکہ شوہر کا درجہ بیوی کے لئے سب سے اونچا اور بڑا ہے، ایجاب و قبول کے بعد والد کا مقام دوسرا ہو جاتا ہے اور شوہر کا مقام اول ہو جاتا ہے جو اس کی موت تک جاری رہتا ہے، اسی بات کو خواتین سمجھ جائیں تو زندگی پر سکون گزر جائیگی۔

بیوی شوہر کو خیر وبھلائی کی ترغیب دے:

اسی طرح اطاعت گزار عورت کی خوبی بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« لَيَتَّخِذْ أَحَدُكُمْ قَلْباً شَاكِراً وَلِسَاناً ذَاكِراً وَزَوْجَةً مُؤْمِنَةً تُعِيْنُ أَحَدَكُمْ عَلَى أَمْرِ الْآخِرَةِ »

”تم میں سے ہر ایک کو شکر گزار دل ذکر کرنے والی زبان، آخرت کے کاموں میں مدد کرنے والی مؤمنہ بیوی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔“ (سنن ابن ماجہ:1505)

بیوی کی خوبی یہی ہے کہ وہ اپنے شوہر کو آخرت کے کاموں کی نہ صرف تلقین کرے بلکہ اس راہ میں مدد گار بن جائے، اسی سے زندگی کا توازن برقرار رہے گا اور معاشرہ و خاندان و قبیلہ مستحکم ہوگا اور ایک دوسرے کا احترام بڑھے گا جیسے اسے صدقات و خیرات کی رہنمائی کرے، انسانیت کی مدد کے لئے ابھارے، نمازوں کے لئے رہنمائی کرے، گھروں میں تلاوت قرآن کے لئے رہنمائی کرے، غرباء و فقراء و مساکین کو کھانا کھلانے کی تلقین کرے، خاندانی افراد سے حسن تعلقات کی رہنمائی کرے۔ اس کے برخلاف عورت دنیاداری کو ترجیح دے تو سماج تباہ و تاراج ہو جائیگا۔

مثالی خواتین:

اپنے آپ کو مثالی بیوی بنانے کے لئے عورت کو چاہئے کہ وہ دیندار اور سابقہ مثالی خواتین کو نمونہ بنائیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«خَيْرُ نِسَاءِ العَالَمِيْنَ أَرْبَعَ مَرْيَمُ بِنْتِ عِمْرَانَ، وَخَدِيجَةُ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ وَ فَاطِمَةُ بِنْتِ مُحَمَّدٍ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ »

”کائنات کی بہترین خواتین چار ہیں: (1) حضرت مریم بنت عمران (2) حضرت خدیجہ بنت خویلد (3) حضرت فاطمہ بنت محمد ﷺ (4) فرعون کی بیوی آسیہ رضی اللہ عنہن۔“ (مسند احمد صحیح جامع الصغیر)

اکثر خواتین اپنے آپ کو غیر اسلامی خواتین کا نمونہ بنانے کی کوششیں کرتی ہیں، TV سیریلس ، یا فلمی نظارے دیکھ کر انہی کی تقلید کرنا چاہتی ہیں حالانکہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے، اسی طرح وہ فلمسٹارز کو نمونہ بنانے کی کوشش کرتی ہیں، پہناوا اسی طرح کرتی ہیں، جس کے سبب وہ زندگی کی حقیقی روح کھو دیتی

ہیں اس کے بر خلاف مسلم خواتین کو چاہئے کہ وہ نیک اور صالحہ خواتین کو نمونہ بنائیں جن کی مثال او پر حدیث میں دی گئی ہیں، ان کی راہوں پر چلیں گی تو ان کے لئے جنت کی راہیں بھی آسان ہوں گی اور زندگی بھی خوش گوار گزرے گی۔

شوہر کی اہمیت :

بیوی کے لئے سب سے اہمیت کی حامل بات ہے کہ وہ شوہر کے حقوق کی ادائیگی کا پاس ولحاظ رکھے، شوہر انتہائی اہمیت کا حامل ہے ،شوہر کی اہمیت اور اس کا مقام اس حدیث میں یوں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«حَقُّ الزَّوْجِ عَلَى زَوْجَتِهِ أَنْ لَوْ كَانَتْ بِهِ قَرْحَةٌ فَلَحَسَتْهَا مَا أَدَّتْ حَقَّهُ »

”شوہر کا بیوی پر حق اس قدر ہے کہ اگر شوہر کو زخم آجائے اور بیوی اس کو چاٹ لے تب بھی شوہر کا حق ادا نہیں کر سکتی ۔“ (حاکم المستدرک علی الصحیحین :2805؛ صحیح ابن حبان:4164؛ سنن بیہقی:15104؛ صحیح الجامع:3148؛نسائی فی السنن الکبری:5386)

شوہر کے حقوق کی ادائیگی کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لا تُؤْذِي امْرَأَةٌ زَوْجَهَا إِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنَ لا تُؤْذِيهِ قَاتَلَكِ اللهُ فَإِنَّمَا هُوَ عِنْدِي دَخِيلٌ أَوْشَكَ أَنْ يُفَارِقَكِ إِلَيْنَا»

”جب کوئی عورت اپنے شوہر کو تکلیف پہنچاتی ہے تو موٹی آنکھوں والی حوروں میں سے اس نیک شوہر کی بیوی کہتی ہے اللہ تجھے ہلاک کرے اسے تکلیف نہ دے یہ چند روز کے لئے تمہارے پاس ہے عنقریب تجھے چھوڑ کر ہمارے پاس آنے والا ہے ۔“ (صحیح سنن ابن ماجہ:1637)

شوہر کی فرمانبرداری:

شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا گیا بلکہ بیوی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے ہمہ وقت تیار رہے اور یہی معاملہ شوہر کے لئے بھی ہے حدیث شریف میں ہے حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« إِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهُ لِحَاجَتِهِ فَلْتَأْتِهِ، وَإِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُورِ»

”جب شوہر اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے تو وہ فوراً آجائے خواہ وہ تنور پر ہی ہو۔“ (جامع ترمذی :1160)

اسی طرح ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا دَعَا الرَّجُلُ إِمْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ أَنْ تَجِيْيَ لَعَنَتْهَا المَلائِكَةُ حَتّى تُصْبِحَ »

”جب شوہر اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس بیوی پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔“ (صحیح بخاری :5193)

اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَابَاتَتِ المَرْأَةُ هَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا ، لَعَنَتْهَا المَلائِكَةُ حَتّى تُصْبِحَ»

”اس ذات کی، قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب کوئی آدمی اپنی بیوی کو اپنی حاجت کے لئے بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے تو جو آسمان میں ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) اس پر اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک وہ شوہر) اس سے راضی نہ ہو جائے۔“ (صحیح مسلم:3538)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے حضرت حصین بن محصن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

”ان کی پھوپھی نبی ﷺ کے پاس آئی تو آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا تو شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ تم اپنے شوہر سے کیسا رویہ برتی ہو؟ اس نے کہا:”میں نے کبھی اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں کمی نہیں کی الا کہ جو طاقت سے باہر ہو۔“ آپ ﷺ نے پھر دریافت کیا کہ ”تم اس کی نظر میں کیسی ہو؟

«فَإِنَّهُ جَنَّتُكِ وَنَارُكِ»

”خبر دار وہ تمہاری جنت ہے اور وہی تمہاری جہنم ہے۔“ (صحیح الترغیب : 1933)

یہ انتہائی سبق آموز احادیث ہیں اس سے لاعلمی کے سبب شوہروں سے معمولی سی ناچاقی کے بعد بیویاں اپنے والدین کے گھر جا کر رہ جاتی ہیں۔ مہینوں تک میاں اور بیوی کے درمیان کوئی تعلقات نہیں رہتے ،ضد اور ہٹ دھرمی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور شیطان اپنا کردار ادا کر دیتا ہے۔ایسی بیویوں کو سبق لینا چاہئے کہ شوہر کا مقام ومرتبہ کتنا اونچا اور بلند ہے۔

شوہر اور بیوی کا آپسی رشتہ: شوہر اور بیوی کے مابین رشتوں کے استحکام کا اندازہ اس حدیث شریف سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ آخرت میں بھی ایک دوسرے کے شریک حیات رہیں گے ،ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا :

«أَمَاتَرْضِيْنَ أَنْ تَكُوْنِيْ زَوْجَتِي فِي الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ»

”کیا تجھے پسند نہیں کہ تو دنیا اور آخرت میں میری بیوی رہے؟ میں نے عرض کیا، کیوں نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

« فَأَنْتِ زَوْجَتِي فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ »

”تم دنیا و آخرت میں میری بیوی ہو۔“ (سلسلہ صحیحہ : 22553011،3394 ؛ صحیح ابن حبان : 7095 ؛ الحاکم المستدرک علی الصحیحین:6898)

شوہر کا مقام مجازی خدا:

بیوی کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کرے، وہ کوئی خادم، نوکر، یا غلام نہیں ہے بلکہ وہ حاکم ہے، اسے یہ حق دین اسلام نے عطا کیا ہے، بیوی کے لئے وہ مجازی خدا کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر غیر اللہ کو سجدہ جائز ہوتا تو سب سے پہلا حقدار شوہر ہی ہو سکتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لو كُنتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لَأحَدٍ لَأمَرْتُ المَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا»

"اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔" (جامع ترمذی: 1159؛ سنن ابن ماجہ: 1852)

بیوی کو چاہئے کسی بھی صورت، کسی بھی معاملے میں اپنے حاکم کو ناراض نہ کرے، اسکو ذلیل و رسوا نہ کرے، اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا اور جنگ و جدال والا معاملہ نہ کرے لیکن ہمارے معاشرے میں شوہروں کی تذلیل کی جاتی ہے، بیوی اپنے بھائیوں اور رشتے داروں کے ذریعہ اس کی پٹائی کروائی جاتی ہے، اس کے خلاف پولیس میں مقدمات درج کروائے جاتے ہیں، گالی گلوچ کی جاتی ہے، گویا شوہر کے ساتھ غلام و ملازم کی طرح سلوک کیا جانے لگا ہے۔ اس سے احتراز کرنے کی ضرورت ہے۔

بیوی شوہر کی ہمراز و معاون:

بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے ہر قدم پر شوہر کی معاون و مددگار بن کر رہے، کیونکہ شوہر کی اصلی ہمت وطاقت بیوی ہی ہے اس کی مثال ہم رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے لے سکتے ہیں، آغاز نبوت کے دنوں میں جب آپ ﷺ انتہائی پریشان ہو چکے تھے، تب اپنی ساری پریشانیاں کسی اور کے سامنے بیان نہیں کیا بلکہ اپنی بیوی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سامنے عرض کیا۔ حضرت خدیجہ الکبریٰ نے آپ کی حوصلہ و ہمت افزائی کی، آپ کی خدمات کو سراہا اور فرمایا:

«كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيْكَ اللهُ أبدا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُوْمَ، وَتَقْرِئُ الضَّيْفَ، وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقّ»

"اللہ کی قسم! آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو اخلاق فاضلہ کے مالک ہیں، آپ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، مفلسوں اور کنگالوں، بھوک مروں کے لئے آپ کماتے ہیں، مہمان نوازی میں آپ بے مثال ہیں، اور مشکل وقت میں آپ حق بات کا ساتھ دیتے ہیں۔" (صحیح بخاری: 3)

مزید کہتی ہیں کہ اب آپ آرام کریں، وہ آپ پر کمبل اڑھا دیتیں اور آپ آرام سے سو جاتے۔ سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی اس حوصلہ افزائی سے رسول اللہ ﷺ کو ہمت و طاقت حاصل ہوئی ساری دنیا مخالف ہو تو کیا ہوا، شریک حیات تو میرے ساتھ ہے۔ ہر بیوی کو اپنے شوہر کے ساتھ یہی کردار ادا کرنا ہوگا، تب ہی زندگی کی راحتیں اور محبتیں حاصل ہوں گی۔

بہترین بیوی سب سے قیمتی خزانہ:

سب سے بہترین بیوی کی صفات بیان کرتے ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« خَيْرُ النِّسَاءِ الَّتِي تَسُرُّهُ إِذَانَظَرَ، وَتُطِيْعُهُ إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِي نَفْسِهَا وَلَا مَالِهَا»

"عورتوں میں سے سب بہترین عورت وہ ہے کہ جب تو اس کی طرف دیکھے تو تجھے خوش کر دے، جب تو اسے کسی کام کا حکم دے تو تیری اطاعت کرے اور جب تو اس سے غائب ہو تو وہ اپنی عزت و آبرو اور تیرے مال کی حفاظت کرے۔" (سنن نسائی: 3231؛ تخریج المسند: 9658؛ سلسلہ صحیحہ: 1838؛ مستدرک حاکم: 2682)

اسی طرح کی ایک اور حدیث دوسرے جامع ترین الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ جب قرآن مجید میں سورہ توبہ کی آیت 34 نازل کی گئی جس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سونے اور چاندی کے خزانے جمع کرنے کی برائی یوں بیان فرمایا کہ

﴿الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالفِضَّةَ...﴾

تو اس سے مسلمان بہت ہی حیران و پریشان ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمہاری مشکل دور کرتا ہوں، چنانچہ وہ سب آئے اور انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ آپ کے اصحاب کو یہ آیت بہت بھاری محسوس ہو رہی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے زکوۃ اسی لئے فرض کیا ہے کہ اس سے تمہارا بقیہ مال پاک ہو جائے، اور وراثت اس لئے فرض فرمائی ہے کہ تمہارے بعد والوں کو ملے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اللہ اکبر" پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ المَرْءُ: المَرْأَةُ الصَّالِحَةُ إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ، وَإِذَا أَمَرَ بِهَا أَطَاعَتْهُ، وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ»

"کیا میں تمہیں سب سے بہترین خزانے کی خبر نہ دوں، جسے انسان حاصل کرتا ہے، نیک بیوی کہ جب تو اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کر دے، جب اسے کسی کام کا حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور جب وہ اس سے غائب ہو تو اس اس (کے مال اور اپنی عزت) حفاظت کرے۔" (سنن ابوداؤد: 1664)

بیوی شوہر کی مرضی وخوشی کا خیال رکھے:

بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ شوہر کی خوشی و ناخوشی والے امور کو اپنے پیش نظر رکھے ہر وہ کام جس سے شوہر خوش ہو اسے کرے اور جس سے شوہر ناخوش ہو اس سے رک جائے، جیسے اگر شوہر کہے کہ فلاں فلاں رشتے دار میری غیر موجودگی میں گھر نہ آئیں جیسے خالہ کی اولاد، چچا کی اولاد، پھوپھی کی اولاد، ماموں کی اولاد، جیٹھ، دیور اسی طرح غیر محرم دیگر رشتے دار جن سے پردہ کرنا لازم ہے، تو اس کا خیال کرے اسی میں بھلائی ہے، یہ نہ کہے کہ ہم بچپن سے ساتھ رہے، پلے پھولے اس میں کیا ہو گا؟ اس طرح کی بحث زندگی میں اختلاف پیدا کرتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدًا إِلَّا بِإِذْنِهِ وَلَا تَأْذَنْ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ، وَمَا أَنْفَقَتْ مِنْ نَفَقَةٍ عَنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَإِنَّهُ يُؤَدّى إِلَيْهِ شَطْرُه»

"عورت کے لئے جائز نہیں کہ اپنے شوہر کی موجودگی

میں اس کی اجازت کے بغیر (نفل) روزے رکھے اور عورت کسی کو اس کے گھر میں اس کی مرضی کے بغیر آنے کی اجازت نہ دے اور عورت جو کچھ بھی اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی صریح اجازت کے بغیر خرچ کر دے تو اسے بھی اس کا آدھا ثواب ملے گا۔" (صحیح بخاری :5195)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " تمہارا عورتوں پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں (اور گھروں) میں کسی ایسے شخص کو داخل نہ کریں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔" (صحیح مسلم)

بیوی شوہر کی احسان مند رہے:

بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ شوہر کی احسان مند اور شکر گزار بن کر رہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الاضحیٰ یا عید الفطر میں عید گاہ تشریف لے گئے وہاں آپ عورتوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا: "اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو، کیونکہ میں نے جہنم میں زیادہ تم ہی کو دیکھا ہے ان عورتوں نے کہا:"اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسا کیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تُكْثِرُونَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ العَشِيْرَ »

"تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔" (صحیح بخاری : 304؛ صحیح مسلم:79؛ سنن ابو داؤد:4679)

اسی طرح ایک اور حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

« لَا يَنظُرُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِلَى إِمْرَأَةٍ لَا تَشْكُرُ لِزَوْجِهَا »

" اللہ تعالیٰ ایسی عورت کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے جو اپنے شوہر کی شکر گزار نہ ہو۔" (صحیح الترغیب : 1944)

بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلے:

بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کو لازم پکڑ کر رہے اس کی اجازت کے بغیر گھر کے باہر یا کسی رشتے دار کے پاس، یا بازار وغیرہ کو ہرگز نہ نکلے کیونکہ یہی بات دونوں کے درمیان افتراق و اختلاف کا سبب بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾

"عورتیں اپنے گھروں میں ٹھہری رہیں۔" (سورۃ الاحزاب:33)

حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر سنا، رسول اللہ ﷺ اپنی بیویوں سے فرمارہے تھے کہ

« هَذِهِ ثُمَّ ظُهُورُ الحُصر »

"یہ (حج تم پر فرض ہے) پھر (گھر میں بچھی) چٹائیوں سے چمٹ جانا۔" (سنن ابوداؤد:1722)

یعنی چٹائیوں کو لازم پکڑنا، یعنی کوئی سیر و سیاحت و وقت گزاری نہیں۔ اس حدیث مبارکہ سے بہت سے تعلیمات سیکھی جاسکتی ہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں امام ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ اشارہ موجود ہے کہ عورت کے لئے اپنے گھر میں ٹکی رہنا اور اس سے نہ نکلنا ہی لازم ہے الا یہ کہ کوئی ضرورت پیش آ جائے۔"

اسی طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

"عورت کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے، اور اگر وہ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے گی تو شریعت کی نظر میں باغی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمان اور سزا کی مستحق ٹھہرے گی۔" (تفسیر احکام القرآن لابن العربی مجموع الفتاوی ابن تیمیہ)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"عورت پر مرد کا یہ حق ہے کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے گھر سے نہ نکلے، اگر وہ ایسا کرے گی تو آسمان کے فرشتے، رحمت کے فرشتے اور عذاب والے فرشتے اس پر لعنت کریں گے حتی کہ وہ واپس لوٹ جائے۔" (ضعیف الترغیب: 1217)

یہ چند ارشادات ہیں جس کو اختیار کرنا ہر مسلم عورت پر لازم ہے۔ جس سے گھر اور سماج سدھر کر رہے گا اور شوہر و بیوی میں محبت والفت باقی رہے گی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

☆☆☆

اسلام کے تقاضے

پھیلائیں گے اگر ہم اسلام کے اُجالے
دنیا سے ختم ہوں گے پھر کفر کے اندھیرے
یوں جی رہے ہیں اب تو اللہ کے یہ بندے
پروردگار ان کا جیسے کوئی نہیں ہے
منزل سے دور ہو کر اِنساں بھٹک رہا ہے
جو راستہ ہے سیدھا کوئی اسے بتا دے
لاریب پھر مسلماں دل کا سکون پائے
اللہ سے جو پہلے وہ اپنا دل لگا لے
دینِ مبیں جہاں میں پھر کیوں نہ جگمگائے
ہمت سے ہر مسلماں پھر سب کو وہ جگائے
عقلِ سلیم دی ہے اِنساں کو جو خدا نے
پھر کیوں نہ حق کو سمجھے پھر کیوں نہ حق کو مانے
برقِ بلا سے کوئی جا کر یہ بات کہہ دے
ہم نے بھی چن کے لائے کچھ آشیاں کے تنکے
پورے کہاں کیے وہ ہم ٹالتے رہے ہیں
احکام اپنے رب کے 'اسلام کے تقاضے'
بخشی گئی تھی جن کو اقوام کی امامت
وہ پھر رہے ہیں اپنی غفلت سے مارے مارے
حماد ہم جو سینچیں خون جگر سے ہر دم
گلزار دین حق میں فصل بہار آئے

ابو البیان حماد



آنے والا مہمان ماہِ رمضان

مترجم: محمد زبیر کلیم (داعی ومدرس جمعیت ہاد، جالیات، سعودی عرب)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اس سے مدد طلب کرتے ہیں، اس سے بخشش مانگتے ہیں اور اس کی طرف توبہ کرتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ ان پر، ان کے اہلِ بیت، صحابہ کرام اور قیامت تک ان کے پیروکاروں پر درود و سلام اور برکت نازل فرمائے۔ حمد وثناء کے بعد! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور خلوت وجلوت میں اس کی نگرانی کو ملحوظ رکھو، اور جان لو کہ تمہارے جسم آگ کو برداشت نہیں کر سکتے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾ (سورۃ الحشر:18) "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل (آخرت) کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔"

اللہ کے بندو! چند محدود گھڑیاں باقی ہیں، اور وہ مہمان ہم پر سایہ فگن ہونے والا ہے جس کا ہم طویل عرصے سے انتظار کر رہے ہیں اور جس کی برکتیں بے شمار ہیں۔ یہ وہ عظیم جامع (یونیورسٹی) ہے جو تقویٰ کا درجہ عطا کرتی ہے: یہ رمضان المبارک ہے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ "تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔" (سورۃ البقرہ:183)

رمضان وہ مہمان ہے جس سے صرف کریم شخص خوش ہوتا ہے اور جس سے صرف بدنصیب ہی بے زاری محسوس کرتا ہے! اس مہمان کے اکرام میں سے یہ ہے کہ اس کے استقبال کی تیاری کی جائے، اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے منصوبہ بندی کی جائے اور اس کے لمحات کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا جائے۔ ہم میں سے بہت سے لوگ اپنی دنیا کے لیے منصوبے بناتے ہیں، لیکن آخرت کے لیے بہت کم لوگ منصوبہ بندی کرتے ہیں، حالانکہ ﴿وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى﴾ (سورۃ الاعلیٰ:17) "آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔"

رمضان کی آمد پر خوش ہونا، درحقیقت اللہ کے فضل پر خوش ہونا اور اس کی نشانیوں کی تعظیم کرنا ہے! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ﴾ "کہہ دیجیے: یہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے، پس انہیں اسی پر خوش ہونا چاہیے، یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔" (سورۃ یونس:58)

نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کو رمضان کی خوشخبری دیتے ہوئے فرماتے تھے: «أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُبَارَكٌ» "تمہارے پاس رمضان آچکا ہے، یہ بابرکت مہینہ ہے۔" (مسند احمد:8769؛ سنن نسائی:2106)

رمضان کی تیاری میں دعا بھی شامل ہے۔ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"بُلُوغُ رَمَضَانَ؛ نِعْمَةٌ عَظِيمَةٌ: فَمَنْ رُحِمَ فِيهِ فَهُوَ الْمَرْحُوم، وَمَن حُرِمَ خَيرَهُ فَهُوَ الْمَحْرُوم."

"رمضان کا مل جانا عظیم نعمت ہے، لہذا جو اس میں رحمت سے نوازا گیا، وہی حقیقی طور پر رحم یافتہ ہے، اور جو اس کی برکتوں سے محروم رہا، وہی حقیقی طور پر محروم ہے۔" (لطائف المعارف:148)

بعض نیک لوگ چھ مہینے تک اللہ سے دعا کیا کرتے تھے کہ وہ انہیں رمضان نصیب کرے۔ ان کی دعاؤں میں یہ بھی شامل تھا:

«اللَّهُمَّ سَلِّمْنِي إِلَى رَمَضَانَ، وَسَلِّمْ لِي رَمَضَانَ، وَتَسَلَّمْهُ مِنِّي مُتَقَبَّلًا»

"اے اللہ! مجھے رمضان تک سلامت رکھ، رمضان کو میرے لیے سلامت رکھ، اور اسے مجھ سے قبول فرماتے ہوئے لے لے۔" (لطائف المعارف (148)

جس نے رمضان کی عزت کی، رمضان نے اس کی عزت کی اور اسے جنت کی طرف لے گیا۔ دو افراد نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مسلمان ہوئے، ان میں سے ایک کو شہادت ملی اور دوسرا ایک سال بعد فوت ہوا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں": میں نے خواب میں جنت دیکھی، تو میں نے ان میں سے اس شخص کو شہید سے پہلے جنت میں داخل ہوتے دیکھا جو ایک سال بعد فوت ہوا تھا۔ "میں نے نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:«أَلَيْسَ قَدْ صَامَ بَعْدَهُ رَمَضَانَ؟» "کیا اس نے اس کے بعد رمضان نہیں پایا تھا؟" (مسند احمد:8399)

رمضان تمام مہینوں کا سردار ہے، اور یہ دل کی اصلاح کے لیے آیا ہے، جو تمام اعضاء کا سردار ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:«صَومُ شَهْرِ الصَّبْرِ -يعني رمضان-، وثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ؛ يُذْهِبْنَ وَحَرَ الصَّدرِ» "صبر کے مہینے (یعنی رمضان) کے روزے اور ہر مہینے کے تین دن کے روزے دل کے میل کو دور کر دیتے ہیں۔ "یعنی یہ روزے دل سے کینہ، بغض، اور اس میں پیدا ہونے والی سختی اور میل کو ختم کر دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس میں نہ دشمنی باقی رہتی ہے اور نہ ہی غصہ۔"

(التیسیر بشرح الجامع الصغیر:1/457، 2/95؛ فیض القدیر:4/211)

رمضان کی تیاری روح کو غذا دینے سے ہوتی ہے، نہ کہ جسم کو موٹا کرنے یا کھانے پینے کا ذخیرہ جمع کرنے سے! ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم کسی بھوک کے مہینے کی طرف بڑھ رہے ہیں، نہ کہ اطاعت اور عبادت کے موسم کی طرف۔

يَا خَادِمَ الجِسْمِ كَمْ تَشْقَى بِخِدْمَتِهِ
فَأَنْتَ بِالرُّوحِ لا بِالجِسْمِ إِنْسَانُ!

”اے جسم کے خادم! تو اس کی خدمت میں کتنا مشقت اٹھاتا ہے، حالانکہ حقیقت میں انسان روح سے ہے، جسم سے نہیں۔“ (مفتاح دار السعادۃ:108)

رمضان آیا ہے تاکہ تمہارے دل کو گناہوں کی گندگی سے دھو ڈالے، اور تمہیں ایک بالکل صاف و شفاف ورق عطا کرے جس سے تم اپنی زندگی اور ایمان کو نیا کر سکو۔ یہ ایک نادر موقع اور بہترین غنیمت ہے، لہٰذا ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو اسے ضائع کر دے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَتَانِي جبريلُ، فقال: رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدرَكَ رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ؛ قُلْ: آمِينَ؛ فَقُلْتُ: آمِينَ.» (مسند البزار: 1405، 4277)

”میرے پاس جبرائیل آئے اور کہا: وہ شخص برباد ہو جائے جس نے رمضان پایا اور اس کی بخشش نہ ہوئی! کہو: آمین۔ تو میں نے کہا: آمین۔“

رمضان گناہوں سے باز آنے اور شیطان پر فتح پانے کا بہترین موقع ہے، کیونکہ رمضان میں شیطان انتہائی کمزور ہوتا ہے! نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا جَاءَ رَمَضَانُ: فُتِّحَتْ أَبوَابُ الجَنَّةِ، وغُلِّقَتْ أَبوَابُ النَّارِ، وسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ» ”جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔“ (صحیح بخاری:1899؛ صحیح مسلم:1079)

ایک روایت میں ہے: «صُفِّدَتِ الشَّيَاطِينُ» ”شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔“ (صحیح مسلم:1079)

جب جنوں کے شیاطین کو باندھ دیا جاتا ہے تو انسانی شیاطین میدان میں آ جاتے ہیں، تاکہ اس مبارک مہینے کے روحانی ماحول کو خراب کریں اور اس کی برکتوں کو چرا لیں! یہ رمضان کے چور ہیں، پس ان سے بچو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿واللهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُم ويُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا﴾ ”اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کرے، اور جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے بہت زیادہ بھٹک جاؤ۔“ (سورۃ النساء:27)

رمضان کا روزہ انسان کی شہوت کو قابو میں رکھتا ہے اور اس کے ایمان کی قوتِ مدافعت کو بڑھاتا ہے، تاکہ اسے خواہشات کا غلام نہ بنا دے اور نہ ہی وہ لذتوں کا قیدی بنے! علماء فرماتے ہیں: "الحُرُّ: هُوَ الّذِي قَهَرَ شَهْوَتَهُ وَنَفْسَهُ؛ فَانْقَادَتْ مَعَهُ، وَذَلَّتْ لَهُ، وَدَخَلَتْ تَحْتَ رِقِّهِ وحُكْمِهِ، وإنَّمَا شُرِعَ الصومُ؛ كَسْرًا لِشَهَوَاتِ النُّفُوسِ، وقَطْعًا لِأَسْبَابِ التَّعَبُّدِ لِغَيْرِ اللهِ، فالصومُ يُورِثُ الحُرِّيَّةَ."

”حقیقی آزاد وہی ہے جو اپنی خواہش اور نفس کو مغلوب کر لے، تاکہ وہ اس کے ساتھ چلیں، اس کے تابع ہو جائیں اور اس کے حکم کے ماتحت آ جائیں۔ روزہ اس لیے مشروع کیا گیا ہے تاکہ نفس کی شہوتوں کو توڑا جا سکے اور اللہ کے علاوہ کسی اور کی بندگی کے اسباب ختم کیے جا سکیں، لہٰذا روزہ آزادی عطا کرتا ہے۔“ (فیض القدیر:4/211)

سب سے آسان روزہ کھانے پینے سے رک جانا ہے، لیکن اگر تم روزہ رکھو تو تمہارا کان، تمہاری آنکھ، اور تمہاری زبان بھی حرام سے روزہ رکھے! جس طرح کھانے پینے سے روزہ خراب ہو جاتا ہے، اسی طرح گناہ اس کے ثمرات کو برباد کر دیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«رُبَّ صَائِمٍ حَظُّهُ مِنْ صِيَامِهِ الجُوعُ والعَطَشُ.» ”کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں ان کے روزے سے بھوک اور پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔“ (مسند احمد:8693)

یہ اللہ کی رحمت کی خوشبوئیں قریب آ چکی ہیں، اور ایمان کی ہوائیں چل پڑی ہیں، جو بھی ان میں سے ایک جھونکا پا لے، وہ کبھی بدبخت نہ ہوگا! نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «تَعَرَّضُوا لِنَفَحَاتِ رَحمَةِ اللهِ؛ فَإِنَّ لِلهِ نَفَحَاتٍ مِنْ رَحمَتِهِ؛ يُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ.» (طبرانی فی المعجم الکبیر: 720) ”اللہ کی رحمت کی خوشبوؤں کو پانے کی کوشش کرو، کیونکہ اللہ کے پاس اپنی رحمت کے کچھ خاص لمحات ہوتے ہیں، جن کے ذریعے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، نواز دیتا ہے۔“

یہ ہے رمضان، جو تمہارے پاس مہمان بن کر آنے والا ہے، لہٰذا اپنے مہمان کی عزت کرو، اپنے اس مہینے کو غنیمت جانو، اور اپنے رب کی طرف تیزی سے لپکو! یہ ایک مختصر مہینہ ہے، جس میں کوتاہی کی گنجائش نہیں! اس کا آنا ایک لمحہ بھر کی زیارت کی مانند ہے، جس میں سستی برداشت نہیں کی جا سکتی! جب بھی تمہیں سستی محسوس ہو، تو یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ﴾

”یہ چند گنتی کے دن ہیں۔“ (سورۃ البقرۃ:184)

لہٰذا اللہ کے لیے، رمضان میں کوتاہی نہ کرنا! یہ ایک ایسا مہمان ہے جو تیزی سے آ کر چلا جاتا ہے، اس میں نیک عمل کے لیے بھرپور کوشش کرو، اور تاخیر اور کاہلی سے بچو۔ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كَم مِمَّنْ أَمَّلَ أَنْ يَصُومَ هذا الشَّهْرَ، فَخَانَهُ أَمَلُهُ؛ فَصَارَ قَبْلَهُ إلى ظُلْمَةِ القَبْرِ."

”کتنے ہی لوگ ایسے تھے جو امید رکھتے تھے کہ وہ اس رمضان کے روزے رکھیں گے، مگر ان کی امید نے انہیں دھوکہ دے دیا، اور وہ اس مہینے کے آنے سے پہلے ہی قبر کے اندھیروں میں جا پہنچے۔“ (لطائف المعارف:149)



الجامع الکامل پروجیکٹ کی معنویت وافادیت

حافظ عبدالحسیب عمری مدنی

'الجامع الکامل فی الحدیث الصحیح الشامل' تاریخ اسلام کی اس پہلی عظیم کاوش کا نام ہے جس میں تمام کتب حدیث سے اکٹھا کرکے جملہ صحیح احادیث کو یکجا کیا گیا ہے اور نقش اول جس حد تک بہتر ہو سکتا ہے اس اعتبار سے یہ بڑی ہی کامیاب کوشش ہے۔

امت مسلمہ کی ساڑھے چودہ سو سالہ تاریخ میں فن حدیث کے ماہرین کم وبیش ہر دور میں رہے ہیں۔ خود ہماری اپنی صدی میں علم حدیث کے ماہرین اور اس کے خدام کی کوششیں اس قدر عظیم رہی ہیں کہ یہ دور بھی تاریخ اسلام کے سنہرے ادوار میں شمار کیا جائے گا۔ تاہم تمام صحیح احادیث کو ایک کتاب میں جمع کرنا ایک ایسا غیر معمولی کارنامہ ہے جو تاریخ میں پہلی بار انجام پایا۔

ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی صاحب سے قبل کسی اور نے اس کی کوشش کیوں نہیں کی؟

اس سوال کا سب سے معقول جواب یہ ہے:

﴿ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴾

"یقیناً اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ طے کر رکھا ہے۔" (سورۃ الطلاق:3)

تاہم اگر مادی اسباب کی طرف دیکھیں تو اس کی بنیادی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ماضی بعید میں اس کے امکانات کم تھے۔ اس اجمال کی تفصیل جاننے کے لیے حدیث کی تدوین اور تہذیب سے متعلق کچھ بنیادی باتوں کا ہمارے علم میں ہونا ضروری ہے۔

عہد نبوی کے بعد جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مختلف صوبوں میں پھیل گئے تو ان سے احادیث نبویہ کو سن کر روایت کرنے والے راوی بھی بڑھتے گئے اور اسانید کی تعداد بھی حتی کہ تیسری صدی کے اختتام سے لے کر جب کہ حدیث کی مشہور ومتداول کتابیں لکھی گئیں، پانچویں صدی تک جب کہ تقریباً تمام حدیثیں کتابوں میں درج کر لی گئیں، صورتحال یہ تھی کہ اگر کوئی احادیث کے ذخیرے میں سے غالب حصے کا احاطہ کرنا چاہتا تو اسے لاکھوں اسانید کے ساتھ احادیث جمع کرنی ہوتی۔

امت میں ایسے عالم ضرور ہوئے جنھوں نے اس معرکہ کو بھی سر کیا اور لاکھوں حدیثیں یاد کیں، یا جمع کیں۔ جیسے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أحفظ مائة ألف حديث صحيح وأحفظ مائتي ألف حديث غير صحيح."

"مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں۔" (سیر اعلام النبلاء:11/415)

حتی کہ ان میں سے بعض محدثین کے متعلق یہ تک کہا گیا کہ جس حدیث کو فلاں محدث نہ جانتا ہو وہ حدیث ہی نہیں۔ جیسے امام احمد نے یحییٰ بن معین کے متعلق فرمایا ہے:

"كل حديث لا يعرفه يحيى بن معين فليس هو بحديث."

"ہر وہ حدیث جسے یحییٰ بن معین نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں ہے۔" (طبقات الحنابلہ:220)

متعدد جلیل القدر محدثین سے متعلق ان جیسے کئی قول مروی ہیں، جو اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ علماء لاکھوں احادیث کے حافظ تھے۔ تاہم کیا وہ تمام احادیث کا احاطہ کرنے میں کامیاب ہوئے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے دو پہلو ہیں:

ایک یہ کہ تمام احادیث اپنے حافظے اور کتاب دونوں میں محفوظ رکھنا اس طرح کہ اکثر احادیث یاد ہوں اور جو یاد نہ ہوں وہ لکھی ہوئی رکھی ہوں۔ اس ناحیے سے محدثین نے بالخصوص ایسے محدثین جن میں سے بعض کا تذکرہ اوپر ہوا ہے اور انہی کے پایے کے دیگر محدثین نے قریب قریب تمام حدیثوں کا احاطہ کیا تھا، سوائے بعض احادیث کے جن کی حیثیت چند فی صد سے زیادہ نہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان تمام احادیث کو یا ان میں سے صحیح احادیث کو یکجا کر کے ایک کتاب تصنیف کر دی جائے۔ اس حیثیت سے دیکھیں تو محدثین نے حدیثوں کا قریب قریب احاطہ تو کیا مگر ان میں سے کسی نے بھی ایسی تمام صحیح احادیث کو ایک تصنیف میں یکجا کرنے کا نہ عزم کیا نہ دعوی۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ اس قدر وسعت علم و حفظ کے باوجود اس زمانے میں احاطے کا دعویٰ کرنا مشکل تھا یا پھر اس دور میں اس دعوے کی اس قدر اہمیت نہیں تھی، کیوں کہ اس دور میں دارو مدار کتابوں سے زیادہ علماء کے حفظ واتقان پر تھا۔ اس سلسلے میں امام احمد سے ایک قول منقول ہے، جو انہوں نے اپنی سند کے بارے میں فرمایا ہے:"هذا الكتاب جمعته وانتقيته من سبع مائة ألف وخمسين ألفا ، فما اختلف المسلمون فيه من حديث رسول الله فارجعوا إليه ، فإن وجدتموه فيه وإلا فليس بحجة ."

"میں نے یہ کتاب جمع کی اور اسے ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے منتخب کر کے لکھا ہے۔ اب مسلمان

کسی بھی حدیث کے بارے میں باہم اختلاف کر بیٹھیں تو تم اس کتاب کی طرف رجوع کر لو۔ اگر اس میں وہ حدیث نہ ملے تو سمجھ لو کہ وہ حدیث حجت بننے کے لائق نہیں ہے۔" (سیر اعلام النبلاء:11/329)

امام احمد رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا قول سے بظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے اپنی مسند کے اندر تمام صحیح احادیث کا احاطہ کیا ہے لیکن دوسری طرف مسند احمد کی تمام احادیث کے صحیح ہونے کا کوئی دعوی امام احمد رحمہ اللہ نے نہیں کیا ہے۔ یعنی امام احمد رحمہ اللہ کے بقول تمام صحیح احادیث اس کتاب میں ہیں، مگر اس کتاب کی تمام احادیث صحیح ہوں یہ ضروری نہیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مسند احمد میں بعض ضعیف احادیث بھی ہیں، ورنہ مسند احمد پہلی 'الجامع الکامل' ہو سکتی تھی۔

رہی بات مسند احمد میں تمام صحیح احادیث کے احاطے کی تو اس باب میں مسند احمد پر استدراک کی گنجائش باقی رہتی ہے، کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ کی فن حدیث میں جلالتِ قدر کے باوجود اس وقت بھی بعض احادیث ایسی تھیں جو اس دور میں روایت کی جاتی تھیں مگر امام احمد رحمہ اللہ کی پہنچ سے باہر تھیں، اسی لیے امام ذہبی رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کے مذکورہ قول پر استدراک کرتے ہوئے لکھا ہے:

"قلت : في الصحيحين أحاديث قليلة ليست في المسند ."

"یعنی خود صحیحین میں بعض ایسی احادیث ہیں جو مسند میں نہیں ہیں۔" (سیر اعلام النبلاء:11/329)

ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی صاحب نے بھی امام احمد رحمہ اللہ کے اس دعوے پر استدراک کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے زمانے میں تمام احادیث کا اکٹھا کر لیا جانا ممکن نہیں تھا، جس کے کئی اسباب تھے۔ ان میں سے ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ بعض راویانِ حدیث تک امام احمد رحمہ اللہ کی پہنچ نہیں تھی۔ اس سلسلے میں امام ذہبی رحمہ اللہ کے حوالے سے امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے:

"لوكان عندي خمسون درهما لخرجت إلى جرير (هو ابن عبد الحميد الضبي إلى الري ." "اگر میرے پاس پچاس درہم ہوتے تو میں ری شہر جا کر جریر بن عبد الحمید الضبی سے علم حاصل کرتا۔" (سیر أعلام النبلاء:11/183)

آگے بڑھنے سے قبل یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ لاکھوں کی اس تعداد سے مراد صرف مرفوع متون نہیں ہیں، بلکہ اس سے مراد مرفوع کے ساتھ ساتھ موقوف و مقطوع آثار وغیرہ سب ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وكانوا يعدون في ذلك المكرر والأثر وفتوى التابعي ومافسر ونحو ذلك وإلا فالمتون المرفوعة القوية لا تبلغ عشر معشار ذلك ."

"یعنی محدثین جب یہ تعداد بتلاتے تھے تو اس میں مرفوع احادیث کے ساتھ ساتھ مکرر، مرفوع متون آثار صحابہ تابعین کے اقوال وغیرہ بھی شامل ہوتے تھے، ورنہ صرف صحیح مرفوع متون اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔" (سیر اعلام النبلاء:11/187)

تمام احادیث کے احاطے سے متعلق مذکورہ بالا صورت حال تیسری صدی کی ہے جب کہ امام ذہبی رحمہ اللہ کے مطابق محض روایت پر دارومدار کا زمانہ اختتام کو پہنچ چکا تھا اور اس کے بعد بھی پانچویں صدی کے اختتام تک یہی صورت حال برقرار رہی۔ پانچویں صدی میں بچی کچی احادیث تمام کی تمام کتابوں میں جمع کر دی گئیں، حتی کہ محدثین کے نزدیک یہ ضابطہ بن گیا کہ پانچویں صدی کے بعد اگر کوئی راوی محض اپنی یادداشت سے کوئی روایت بیان کرے جس کی کتابوں میں کوئی اصل نہ ہو تو وہ مردود ہے۔

پانچویں صدی کے بعد جب کہ تمام حدیثیں کتابوں میں درج کی جاچکی تھیں، یہ ہونا چاہیے تھا کہ اب انہی کتابوں میں جمع شدہ اسانید کی تحقیق کر کے تمام صحیح احادیث یکجا کر دی جاتیں، مگر پھر بھی ایسا نہ ہوا، جس کی بنیادی طور پر دو وجوہات سمجھ میں آتی ہیں:

1۔ ایک وجہ تو یہ کہ لوگوں کی ضرورت اس کے بغیر بھی پوری ہو رہی تھی۔ احادیث کی معروف ومتداول تصانیف کافی وشافی معلوم ہوتی تھیں۔

2۔ دوسری اور زیادہ اہم وجہ یہ کہ حدیثیں تو کتابوں میں درج ہو گئی تھیں، مگر تمام کتابوں تک ہر ایک شخص کی رسائی ممکن نہیں تھی، کیونکہ یہ کتابیں پورے عالم اسلام کے مختلف صوبوں میں الگ الگ مصنفین نے لکھی تھیں اور اس دور میں کتابوں کی نقل تحریری طور پر ہی ہوتی تھی، جس کی وجہ سے تمام مصادر کو یکجا کر لینا خود ایک بڑا معرکہ سر کرنے جیسا تھا۔ پانچویں صدی سے پرنٹ کے دور تک کے علماء کی سوانح میں جابجا تذکرہ ملتا ہے کہ بعض بڑے علماء بھی بعض کتابوں کو دیکھنے سے قاصر رہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر (852ھ) کو مسند اسحاق بن راہویہ مکمل نہ ملی۔

ان دو بنیادی وجوہات کے علاوہ ڈاکٹر ضیاء الرحمن صاحب نے 'الجامع الکامل' کے مقدمے میں مزید تین وجوہات کا تذکرہ فرمایا ہے:

1۔ مؤلفین کا منہج یہ تھا کہ وہ صرف وہی حدیثیں اپنی کتابوں میں درج کرتے تھے، جو اُن کی سنی ہوئی ہوں۔ یعنی وہ خود جن کے راوی ہوں۔ ایسی حدیثیں جو معروف تو ہوں لیکن ان کی مسموعات میں سے نہ ہوں ان کی روایت نہیں کرتے تھے۔ اس طرح جب سب احادیث سنی نہیں تو تمام کی روایت بھی خود اپنی سند سے ممکن نہیں، اس شرط کی وجہ سے احادیث کا

احاطہ کسی کتاب میں کرنا ممکن تھا۔

2۔ صحیح احادیث پر مبنی کتابوں کے مؤلفین کے پیش نظر ہمیشہ یہ پہلو رہا کہ کتاب تمام موضوعات کو تو شامل ہو، تاہم مختصر ہو، تاکہ اس سے مستفید ہونے والے آسانی محسوس کر سکیں۔ بعض علماء نے اس ارادے سے کتاب لکھی کی کہ وہ تمام حدیثوں کو اکٹھا کریں گے مگر اس احاطے کا دائرہ صرف احکام کی احادیث تک محدود رکھا۔ جیسا کہ امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں کیا، مگر وہ اس شرط کو بھی پورا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

تدوین حدیث سے متعلق یہ تفصیلات اس حقیقت سے پردہ اٹھانے کے لیے کافی ہیں کہ طباعت کے زمانے سے پہلے تک مختلف اسباب اور وجوہات کی وجہ سے یہ ممکن نہ تھا، یا اس طرف توجہ بھی نہ تھی کہ ایک کتاب میں تمام صحیح حدیثیں اکٹھا کر لی جائیں۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ صحیح حدیثیں محفوظ نہیں رہیں۔ صحیح احادیث امت کے پاس ہمیشہ سے محفوظ رہی ہیں، مگر ایک ہی شخص کے پاس یا ایک ہی کتاب میں نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"لا نعلم رجلا جمع السنن فلم يذهب منها عليه شيئ فإذا جمع علم عامة أهل العلم بها أتى على السنن وإذا فرق علم كل واحد منهم ذهب عليه الشيئ ، منها ثم كان ماذهب عليه منها موجودا عند غيره ."

"ہمیں نہیں معلوم کہ ایسا بھی کوئی شخص ہے جو تمام احادیث کا جانکار ہو، اس طرح کہ اس سے کوئی حدیث نہ چھوٹے۔ البتہ اگر کوئی تمام محدثین کے علم کو اکٹھا کر پائے تو یقیناً تمام احادیث کو جان لے گا اور اگر ہر شخص کے علم کو اس کے پاس ہی رہنے دے تو کچھ نہ کچھ ہر شخص کے پاس کمی رہے گی ۔ البتہ جو حدیث ایک کے پاس نہ ہو وہ دوسرے کے پاس ضرور محفوظ ہوگی۔" (الرسالۃ : 340/1)

عصر حاضر میں کتابوں کی بکثرت طباعت، علم حدیث کی طرف لوگوں کی رغبت، مختلف یونیورسٹیوں میں تخصص کے طور پر فن حدیث کی تدریس اور ساتھ ہی دنیا کی بڑی لائبریریوں تک بہ آسانی رسائی حتی کہ مخطوطات تک پہنچ اور ساتھ ہی مشروع یا پروجیکٹ کی شکل میں تقسیم کار کے امکانات وغیرہ کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ اس دور میں یہ کام ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ تھا کہ یہ عظیم کارنامہ اس صدی کے حصے میں آئے۔ ان سارے اسباب کے میسر آنے کے باوجود اور حدیث کی تصحیح و تضعیف پر خصوصی محنت کے باوجود اس انداز میں سوچنے اور اس طرز پر کام کرنے کی یہ سعادت عصر حاضر کے بہت سارے اہل علم کو حاصل نہ ہوئی۔ خود محدث العصر شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس طرز پر کام نہیں کیا، حالانکہ فن حدیث میں ان کے اپنے کارنامے اپنی انفرادی نوعیت کی وجہ سے مجددانہ رہے ہیں۔ اللہ کی توفیق خاص سے یہ سعادت ڈاکٹر ضیاء الرحمن اعظمی رحمہ اللہ کو حاصل ہوئی کہ تقریباً چودہ سو سال بعد انہوں نے اس عظیم پروجیکٹ کو پورا کرنے کا نہ صرف خواب دیکھا بلکہ دنیا سے رخصت ہونے سے قبل اسے مکمل بھی کر گئے۔

اس پروجیکٹ کی ابتدا کیسے ہوئی؟ کیسے ان کے ذہن میں یہ مشروع آیا؟ اس کی بابت ڈاکٹر ضیاء الرحمن صاحب نے "الجامع الکامل" کے مقدمے میں یہ بیان کیا ہے کہ مختلف لوگوں نے ان کے سامنے بارہا اس قسم کی کوئی کتاب تصنیف کیے جانے کا مطالبہ رکھا، جب کہ اس کی ایک دوسری وجہ بھی ہے جس کا تذکرہ ڈاکٹر صاحب نے راقم کے سامنے کیا تھا، ممکن ہے دوسرے احباب کے سامنے بھی کیا ہو۔ ڈاکٹر صاحب نو مسلم تھے، تلاشِ حق کی جو جستجو انھیں اسلام تک لائی تھی وہ قبول اسلام پر آ کر نہیں رکی۔ اس جستجو نے اپنا سفر جاری رکھا۔ فطری طور پر اسلام تعلیمات اسلام اور مصادرِ اسلام سے متعلق تجسس اور استفسار کا جذبہ آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ایک دن دوران درس اپنے استاذ شیخ التفسیر سید عبد الکبیر عمری رحمہ اللہ سے پوچھ لیا کہ قرآن تو ایک جلد میں ہمارے سامنے ہے، اس طرح احادیث رسول بھی یکجا کہاں ملیں گی؟ استاذ نے جواب دیا کہ اس کے لیے آپ کو لائبریری میں کتب احادیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ یہ سن کر پہلے پہل دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ احادیث کو بھی قرآن کی طرح ایک جلد میں اکٹھا کر دیا جائے۔ یہ سوچ جس قدر فطری تھی اسی قدر معصوم بھی تھی۔ ان کو نہ اس کام کی وسعت کا اندازہ تھا، نہ اس کے لیے درکار وسائل اور جدوجہد کا۔ آج یہ سوچ ایک واقعہ کا روپ دھار چکی ہے، لیکن جب اس سوچ نے جنم لیا تھا اس وقت کسی بھی ماہر فن یا علم دوست شخص سے اس کا تذکرہ کیا جاتا تو وہ اسے محض ایک دیوانے کا خواب سمجھتا، کیوں کہ اسلامی علوم وفنون میں علم حدیث اپنی تصانیف کے اعتبار سے سب سے زیادہ وسیع فن ہے، جس کی فروعات بھی بہت ہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب کے جواں حوصلوں کا کمال دیکھیں کہ جو ایک بار ٹھان لیا تو اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیا۔

ڈاکٹر صاحب نے جامعہ دار السلام عمر آباد سے عالمیت اور فضیلت کی ڈگری حاصل کی اور اس کے بعد سب سے پہلے فن حدیث میں تخصص کیا۔ سعودی عرب اور مصر کی مختلف یونیورسٹیوں سے بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں اسی تخصص میں حاصل کیں۔ پھر اسی شعبے میں تدریس سے وابستہ ہو گئے۔

ساتھ ہی اسی فن کی مختلف فروعات میں کئی ایک تحقیقی کام کیے اور تقریباساٹھ سال کی عمر تک اس فن کے تمام پہلوؤں کو سیکھتے، پرکھتے اور برتتے رہے اور پھر ریٹائر منٹ کے بعد اپنی زندگی کے اس عظیم پروجیکٹ کو اپنی صبح وشام کا مشغلہ بنالیا۔ ملنے ملانے والوں سے ہمیشہ یہی کہتے کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری زندگی میں مزید دس سال دے دے، تاکہ میں اپنا پروجیکٹ مکمل کر سکوں۔ اللہ کا کرنا یوں ہوا کہ پروجیکٹ نے توقع سے بڑھ کر وقت لیا اور پورے بیس سال لگ گئے۔ ڈاکٹر صاحب خود لکھتے ہیں:

"وقد استغرق تأليفه نحو عشرين سنة متتالية عملت خلالها ليل نهار منقطعا عن الزيارات واللقاءات تاركا الأسفار والرحلات معتذرا عن حضور الندوات والمؤتمرات ."(مقدمہ الجامع الکامل)

اس کتاب کی تالیف میں بیس سال لگ گئے جن میں میں نے رات دن کام کیا لوگوں کی ملاقات وزیارت اسفار، کانفرنسوں وغیرہ سے کٹا رہا۔"

اللہ نے عمر بھی دراز کی اور صحت بھی برقرار رکھی حتی کہ الجامع الکامل کی پہلی طباعت (1436ھ) کے بعد بھی شیخ یہ کہتے تھے: "ابھی اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔" یہاں تک کہ طبع ثانی (1440ھ) میں شائع ہوئی تو شیخ نے اطمینان کا سانس لیا اور اسی طباعت کو معتمد و مستند قرار دیا اور اس کے بعد زیادہ دن باحیات بھی نہ رہے اور 9 ذی الحجہ 1441ھ کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ غفر اللہ لہ...

یہ پروجیکٹ امت کے لیے کسی عظیم تحفے سے کم نہیں ہے اور اس کے پیچھے کس قدر محنت لگی ہے اس کا اندازہ درج ذیل چند حقائق سے لگایا جاسکتا ہے:

1۔ پروجیکٹ کا سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ اس بات کا پتا لگایا جائے کہ احادیث کہاں کہاں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ متداول و معروف کتابوں کے علاوہ بیسیوں کتابیں ایسی بھی ہیں جو غیر معروف ہیں، یا وہ کتب حدیث کے طور پر معروف نہیں ہیں۔ بسا اوقات رواۃ کے تراجم سے متعلق کتابوں میں بھی بعض مسند احادیث مروی ہوتی ہیں۔ ان تمام کا احاطہ کرنا یہ پہلا بنیادی مرحلہ تھا۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمن صاحب نے اپنی تقریباً چالیس سالہ زندگی اس فن سے جڑے رہ کر گزاری، جس کے نتیجے میں یہ مرحلہ بحسن وخوبی انجام کو پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول ایسی کتابیں دو سو سے زائدہ ہیں جن میں احادیث سند کے ساتھ مروی ہیں۔ ان میں سے تقریباً 165/ار کتابیں اکٹھا کر لی گئیں۔ باقی ماندہ کتابوں کے بارے میں جول نہ سکیں ڈاکٹر صاحب کا اندازہ یہ تھا کہ ان میں وہی احادیث جو ان 165/ر کتابوں میں مروی ہیں دیگر اسانید سے وارد ہوں گی، لہٰذا اسانید سے صرف نظر صرف نئے متون کا اعتبار کریں تو زیادہ سے زیادہ مزید پانچ فی صد متون ان کتابوں میں ہو سکتے ہیں۔ بقیہ پچانوے فیصد متون ان حاصل شدہ کتابوں میں سے اکٹھا کر لیے گئے ہیں۔ ان 165 کتابوں کی فہرست ڈاکٹر صاحب نے الجامع الکامل کے مقدمہ میں پیش کر دی ہے۔

2۔ دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ حدیث کی مذکورہ بالا تمام کتابوں سے احادیث کو نکال کر یکجا کیا۔ ان کتابوں میں ڈاکٹر صاحب کے اندازے کے مطابق تکرار کے بغیر تقریباً چالیس ہزار متن تھے (تقریباً آٹھ ہزار کتب ستہ میں 19 ہزار مجمع الزوائد میں (مجمع الزوائد میں درج ذیل کتابوں کی وہ زائد احادیث ہیں جو کتب ستہ میں نہیں ہیں، مسند أحمد، مسند البزار، مسند ابی یعلی اور طبرانی کی تینوں معاجم کبیر صغیر اور اوسط] اور ان کے علاوہ اہم بارہ کتابیں ہیں، جن میں تقریبا دس ہزار متن)۔ حدیث کے متون کی اس تعداد میں صرف مرفوع احادیث شمار کی گئی ہیں اور شیخ نے ذکر کیا ہے کہ ذاتی تخمینے کے بعد دیکھا کہ امام سیوطی رحمہ اللہ کا تخمینہ بھی اس عدد کے بالکل قریب ہے۔ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الأحاديث الصحاح التي بين أظهرنا بل وغير الصحاح لو تتبعت من المسانيد والجوامع والسنن والأجزاء وغيرها لما بلغت مائة ألف بلا تكرار بل ولا خمسين ألفا ."" جو صحیح احادیث ہمارے سامنے موجود ہیں بلکہ غیر صحیح کو بھی شامل کر لیں اور ان کو مسانید جوامع سنن اور اجزاء وغیرہ سے اکٹھا کر لیا جائے تو سب کی سب مل کر بغیر تکرار کے ایک لاکھ تک بھی نہیں پہنچتیں، بلکہ پچاس ہزار تک بھی نہیں۔" (تدریب الراوی: 106/1)

الجامع الکامل کی پہلی اشاعت کے مقدمے میں ڈاکٹر صاحب نے یہی چالیس ہزار کی تعداد لکھی ہے۔ بعد میں ڈاکٹر صاحب مرفوع متون کی تعداد تقریبا پچاس ہزار بتلاتے تھے۔ یہ بات میں نے خود ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری ایام میں شخصی ملاقات میں ان سے سنی ہے اور یہ بھی پتا چلا کہ مسجد نبوی کے درس میں بھی ڈاکٹر صاحب بارہا یہی تعداد بتلایا کرتے تھے۔

3۔ یہ چالیس یا پچاس ہزار متن مذکورہ کتابوں میں مجموعی طور پر تقریباً تین لاکھ اسانید سے مروی تھے۔

4۔ ان اسانید میں راویان حدیث کی تعداد تقریبا پچاس سے ساٹھ ہزار تک ہے۔ تین لاکھ اسانید، تقریبا پچاس ہزار متن اور پچاس ہزار رواۃ کے جائزے اور تفصیلی تحقیق پر مبنی یہ عظیم کام کس قدر غیر معمولی تھا اس کا اندازہ کوئی بھی صاحب علم بخوبی لگا سکتا ہے۔ اس عظیم پروجیکٹ کو ڈاکٹر صاحب نے خود پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے، جس میں انہوں نے پورے 20 سال میں پانچ فن حدیث کے ماہر ایم اے

اور پی ایچ ڈی کے طلبہ سے مدد لی، جن کا اس پروجیکٹ میں حصہ اس قدر تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے طے کردہ خطہ اور خاکہ کے مطابق ڈاکٹر صاحب کے ساتھ وہ مکتبہ میں ایک ایک حدیث سے متعلق معلومات اکٹھا کر کے لاتے اور انہی کے طے کردہ طریقے کے مطابق ابتدائی تحقیق کر کے ڈاکٹر صاحب کے سامنے پیش کرتے۔ ڈاکٹر صاحب جو خود بھی ان کے برابر تخریج اور تحقیق میں لگے ہوتے، ان معاونین کے کام کا از اول تا آخر حرف بہ حرف مراجعہ کرتے، ان معاون طلبہ کے کام میں اپنی صوابدید کے مطابق رد وبدل اور اصلاح کرتے۔ بسا اوقات ایک ایک حدیث پر رک کر بعض دیگر محققین کی تحقیق کے ساتھ موازنہ کر کے بتلاتے کہ کہاں ان سے اتفاق ہے اور کہاں اختلاف اور اختلاف کی وجہ کیا ہے۔ اس طرح یہ کام نہ ایسا پروجیکٹ تھا جس پر کام تو محققین کی ایک ٹیم انجام دیتی ہے مگر پروجیکٹ کے نگران اپنے نام سے شائع کر لیتے ہیں اور نہ ہی ان معاونین کی حیثیت محض ایک محرر کی تھی جو صرف لکھے اور مزید اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔ وہ خوش نصیب اہل علم جنہوں نے اس پروجیکٹ پر فن حدیث کے معاون کی حیثیت سے کام کیا درج ذیل ہیں: دکتور کمال قالمی (الجزائر)، دکتور عیسی جاکیتی (کینیا)، دکتور عبید الرحمن (ہندوستان)، دکتور یوسف ابوطلحہ (ہندوستان)، دکتور عبد الحلیم بسم اللہ (نیپال)۔ آخر الذکر نے اس پروجیکٹ پر سب سے زیادہ وقت تقریباً آٹھ سال صرف کیا ہے۔ ان پانچ شخصیات کے علاوہ مزید بعض افراد اور اہل علم سے فن حدیث کے مسائل سے ہٹ کر پروجیکٹ کے دیگر معاملات میں ڈاکٹر صاحب نے مدد لی ہے۔

اس عظیم پروجیکٹ کا ثمرہ جو ڈاکٹر صاحب نے پیش کیا وہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر صحیح احادیث کی تعداد 16546 ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا ابتدائی اندازہ یہ تھا کہ صحیح احادیث کی مجموعی تعداد بارہ ہزار سے پندرہ ہزار تک ہو سکتی ہے، جس کا تذکرہ آپ نے 'الجامع الکامل' طبع اول کے مقدمے میں فرمایا ہے۔ تاہم 'الجامع الکامل' کی دوسری طباعت میں جس کو شیخ معتمد قرار دیتے تھے، صحیح احادیث کی تعداد 16546 ہے۔

واضح رہے کہ اس میں صرف مرفوع احادیث شامل ہیں، موقوف یا مقطوع روایات کو شیخ نے ذکر نہیں کیا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ صحیح کی اصطلاحی تعریف پر بس نہیں کیا ہے، بلکہ اسے عرفی معنے میں استعمال کیا ہے، جس میں حسن درجے کی احادیث بھی شامل ہیں۔ آپ چاہیں تو شیخ کی اس اصطلاح کو مقبول کے معنے پر محمول کر سکتے ہیں، یا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام مسلم کی طرح کتاب میں اصل اعتبار واعتماد تو صرف صحیح پر ہے، ضمناً حسن درجے کی روایتوں کو بھی کتاب میں جگہ دے دی ہے۔ شیخ نے خود لکھا ہے:

" فلما رأيت كل ذلك شعرت بأهمية تأليف كتاب يجمع الصحاح والحسان والجياد من الأحاديث المسندة المرفوعة المتفرقة في دواوين السنةفاستخرت الله سبحانه وتعالى ..."

(مقدمہ الجامع الکامل)

یہ جانکاری بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ بعض حضرات کے اس استفسار پر کہ بعض احادیث ضعیف ہونے کے باوجود بعض مسائل میں مشہور ہو چکی ہیں ان کی پہچان کیسے ہو پائے گی؟ ڈاکٹر صاحب نے پہلے پہل یہ موقف اپنایا کہ اگر وہ حدیث میری کتاب میں نہ ملے تو جان لیں کہ وہ ضعیف اور ناقابل حجت ہے۔ جیسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مسند احمد کے بارے میں فرمایا تھا: "اب مسلمان کسی بھی حدیث رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بارے میں باہم اختلاف کر بیٹھیں تو تم اس کتاب کی طرف رجوع کر لو۔ اگر اس میں وہ حدیث نہ ملے تو سمجھ لو کہ وہ حدیث حجت بننے کے لائق نہیں ہے۔" (سیر اعلام النبلاء: 11/329)

تاہم پھر ڈاکٹر صاحب کی رائے تبدیل ہوئی اور آپ نے ضمناً ایسی مشہور مگر ضعیف احادیث کا بھی تذکرہ اپنی کتاب میں کر دیا ہے مگر ان حدیثوں کو الگ سے کوئی نمبر نہیں دیا یہ بتلانے کے لیے کہ یہ الجامع الکامل کا حصہ نہیں ہیں۔ احادیث کی مذکورہ بالا تعداد 16546 صرف صحیح احادیث کی ہے۔ یہ ضعیف احادیث ان میں شامل نہیں ہیں۔ کتاب میں جس طرح بعض فقہی فوائد کا تذکرہ ہوا ہے اسی طرح ان احادیث کے ضعیف ہونے کو بتلانے کے لیے اور اس پر تنبیہ کے لیے انہیں درج کر دیا گیا ہے۔ ان ضعیف احادیث کے ذکر کرنے کے بھی دو طریقے ہیں:

جو حدیثیں ضعیف ہیں لیکن ان کا ضعف شدید نہیں ہے انہیں وفی الباب' کے عنوان کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور جن حدیثوں کا ضعف شدید ہے یا وہ موضوع ومن گھڑت ہیں انہیں"وأما ما روي "کے تحت بیان کیا ہے۔

اس طرح 'الجامع الکامل' تمام صحیح احادیث کی جامع کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث کی کتابوں میں مزید دو حیثیتوں سے ممتاز ہو گئی۔ ایک تو یہ کہ ان میں صرف مرفوع حدیثیں ہیں اور دوسری یہ کہ ان میں صرف صحیح (مقبول) احادیث ہیں۔ عام طور پر 'الجامع الکامل' سے پہلے کتابیں صحیح بھی ہوں تو مرفوع وموقوف سب کو شامل ہوتی تھیں، جیسے صحیحین۔ اور دوسری یہ کہ ان میں سے اکثر صحیح کے ساتھ بعض ضعیف احادیث پر بھی مشتمل ہوتی تھیں، جیسے کتب ستہ، مسند احمد اور موطا مالک وغیرہ۔ الجامع الکامل حدیث کی وہ پہلی کتاب بن گئی جس میں تمام صحیح اور صرف مرفوع احادیث یکجا ہیں۔ (جاری ہے)



بحث دو م در تحقیق مفہو م بدعت و صفیه

مخفی نما ندکه مدار این بحث بر حدیث ثانی است از احادیث ثلاثه مر قو مة یعنی حد یث من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو ردّ. باید دانست که تحقیق مفہو م بد عت و صفیه مو قو ف است بر تحقیق مفہوم سه کلمه از حد یث مسطوره ۔ او ل مفہو م کلمه احداث وثانی مفہوم کلمه امر نا، وثالث کلمه ما موصوله۔ اما تحقیق مفہو م کلمتین او لین پس دربحث اول مذ کور کرده شد ۔ و اما تحقیق مفہو م کلمه ثا لثه ۔ پس با ید دا نست که مد لو ل ما مو صو له چیز یست و آن بر ہر مفہو م صادق می آید ۔ اما در موا رد استعما ل اکثر مخصص مے باشد بدو وجه ۔ او ل از جهت صله خود و ثا نی از جهته نظر سیاق و سباق آن و از جهت تا مل در حا ل متکلم و سا مع و از جهت رعا یت موا قع و موارد کلام مثلاً اگر کسے بگو ید که جا ہل را نمے با ید که در کارو بار علماء چیزیرا که متدا ول در ایشا ن نبا شد احدا ث نما ید ۔ پس چنا نکه تخصیص چیز محد ث مذ کور بعد م تدا ول در میا ن علماء منطو ق کلام مذ کور است ہمچنیں متبادر در عر ف از کلام مذ کور ہمیں ست که جا ہل را از احدا ث ہما ن چیز منع کرده اند که از جنس مقدمات علمیه با شد که علماء بجهت علم خود بآ ن اہتما م میکنند و ار با ب دا نش از جهت دا نش خود بآ ن اشتغا ل مے نما ئند مثل تصنیف کتا ب جد ید یا ا خترا ع طر ز جدید از انوا ع تقریر و تحریر و مطا لعه و منا ظره یا استخرا ج مسائل جد ید، نه از اختراع لبا س جد ید و طعام جد ید و مسکن جد ید و امثا ل آں از امور یکه تعلق بمقد ما ت علمیه نمیدارد گو که علماء ہم بنا بر قضاء حوا ئج بشریت بآں اشتغال داشته باشند ہم چنین از حدیث مسطوره در تفاہم عر ف ہمیں معنی متبادر میگر دد که ہر که ا حدا ث کند در امر اینہا چیز ے را که انبیاء علیهم السلام بنا بر منصب نبو ت بتعلیم آن چیز اہتمام نما ئند۔ پس آن چیز ردّ است۔ پس دریں مقام تفحص باید کرد که انبیاء علیهم السلام به بیا ن کدام چیز در با ب امور دین اہتما م میفر ما یند

پس میگو یم چنا نچه تر غیب بنفس امور نا فعه در معاد و تنفیر از نفس امور ضاره دران از خوا ص منصب نبو ت است۔ چنا نکه در بحث اول مذ کور گر دید و آ نرا دین میگو یند و آن مشتر ک است در جمیع ا دیا ن سما ویه بحکم کر یمه :

شرع لکم من الدّین ما وصّی به نو حاً والّذی اوحینا الیک و ما وصّینا به ابرا ہیم و موسی و عیسی

ہم چنین تجد ید حدود امور مذ کوره و تشخیص صور خا صه آ نکه در منفعت و مضر ت ا خر ویه د خل داشته با شد نیز ازخوا ص منصب رسا لت است و آ نرا شریعت و منہا ج مینا مند و آن مختلف میبا شد با ختلا ف رسل بحکم کر یمه

لکل جعلنا منکم شرعةً و منهاجاً

مثلاً تر غیب بنفس نماز و نکاح و تنفیر از شر ک و زنا از با ب تعلیم اصو ل دین است و تحدید نماز بتعیین اوقات و اعداد رکعات و شرو ط و امثا ل آن و تحدید نکا ح بتعیین ایجاب و قبول و حضور شہود و لزو م مہر و امثال آں و تحدید شرک بطیره و حلف باسم غیر الله و تحدید زنا بتعیین محلے که از ملک و شبه آن خالی با شد و تعیین حد آن از جلد و ر جم و امثا ل ذلک ۔ اینہمه ازبا ب تشریع است پس چنا نکه تحقیق بحث اول مو قو ف بر تفصیل امو ر دین بود ہم چنین تحقیق این بحث مو قو ف بر تفصیل ابوا ب تشریع است ۔ پس میگو یم که تعیین صور خا صه و تحدید حدود معینه برا ئے ا صو ل دین از جہت شارع بدو طریق متحقق میگر دد ۔ اول بطر یق لزو م یعنی بایں و جه تعیین فرما ید که اصل مذ کور بدون ایں صورت خا صه اصلاً در نظر شا رع معتبر نیست یا کالعدم است۔ و ثا نی بطریق تکمیل یعنی بایں و جه تعیین فر ما ید که ہر گا ه اصل مذ کور دریں صورت خا صه متحقق گر دد در نظر شارع نہایت مستحسن و ممدوح باشد۔ پس صورت معینه در استحسان شر عی د خل دارد یا نه در اصل تحقق آ ن اصل مذ کور و ہر واحد از قسمین بو جوه متعدده مے با شد که چند ے ازاں بطر یق تمثیل دریں مقا م ذکر کرده میشود۔ مثلاً ازانجمله تعیین اجرا ئے امر یست از امور دین یا بطر یق لزو م مثلاً تعیین قیا م و قرأة و ر کوع و سجود و امثال آں به نسبت نماز و تعیین ایجا ب وقبو ل بنسبت نکا ح یا بطر یق تکمیل مثلاً تعیین قو مه و جلسه و تسبیحا ت به نسبت نماز و تعیین قدرے زا ئد از ا صل در با ب ادائے قرض حسنه بر تقد یریکه شر ط نکر ده با شند

و ازانجمله است تعیین اوقات یا بطریق لزو م مثلاً اوقا ت خمسه برائے ادا ئے صلوة و ماه ر مضا ن برائے صیام و ذی الحجه برا ئے حج و حو لان حو ل برا ئے زکو ة و غیره ،و وقت اذان جمعه برا ئے معا ملات و اول شوال و دہم ذی الحجه برا ئے تعبد، یا بطر یق تکمیل مثل تعیین لیا لی ر مضا ن و لیلة نصف شعبا ن برا ئے قیام و وقت نصف آ خر از شب برائے تہجد و وقت ار تفاع شمس برائے اشراق و ایا م بیض و سته شوا ل و روز عر فه و عاشوره و پا نز د ہم شعبا ن برا ئے صیا م و ماة ر مضا ن برا ئے عمره و روز ہفتم از و

لا دت مو لود برائے عقیقه و پنجشنبه و دو شنبه برائے سفر و امثا ل آں از موا ضعے که توقیت اوقا ت در آں از جہت شا رع واقع گر دیده که عدد ا حصا ئے آ ن ممکن نیست۔

و ازانجمله است تعیین امکنه یا بطر یق لزو م مثل تعیین مکا ن طا ہر غیر مقا بر و حما مات برائے نماز و امصار برائے نماز جمعه و اعیاد و مسا جد برا ئے اعتکا ف و موا قیت احرا م و حر م کعبه و عر فا ت و منا و مز دلفه و صفا و مروه برا ئے حج و عمره و غیر مسا جد برائے معا ملات یا بطر یق تکمیل مثیل تعیین مسا جد برا ئے نماز فر ض و عقد نکاح و بیو ت برا ئے نفل و تلا وت قر آں و موا ضع مخصو صه از حر مین برا ئے دعا و مسجد جا مع برا ئے نماز جمعه و صحرا برائے نماز عید و استسقاء و دفن اموا ت و مقا بر برا ئے تذ کیر آ خر ت و استغفار برائے اہل آں و مسا جد ثلاثه برا ئے سفر بسو ئے آ ن بجہت تحصیل منفعت ا خر و یه و امثا ل آں از تو قیقا ت زما نیه است

و ازانجمله است تعیین اعداد یا بطر یق لزو م مثل اعداد رکعا ت در فرا ئض و اعداد صیا م در فرا ئض و کفا را ت و اعداد مسا کین در با ب کفا را ت و اعداد اشوا ط و جمار در با ب حج و اعداد شہود و ضر با ت جلده در باب معا ملات و حدود و تعین سه حیض یا مدت سه ما ه یا چہار ماه و ده روز یا مد ت حمل برا ئے عد ت یا چہار ما ه برائے ایلاء و یا سه روز برا ئے خیا ر و ا مثا ل آں یا بطر یق تکمیل مثل تعیین اعداد رکعا ت در نوا فل و تسبیحا ت و ار کا ن نماز و بعد از فرا غ آں و در صلوۃ التسبیح و ہم چنیں تعیین سته شوا ل و ثلا ثه در ہر ماه در با ب صو م و رعا یت عدد وتر در جمیع عا دا ت و امثا ل ایں توقیت عددی را ہم بر تو قیت زما نیه و مکا نیه در کثر ت و عدم احصاء قیاس با ید کر د

و ازانجمله است تعیین بعضے جوا رح فاعل بعضے افا عیل و بعضے دیگر برا ئے بعضے دیگر خوا ه بطر یق لزو م و خواه بطر یق تکمیل مثل تعیین قلب برائے نیت در عبا دا ت و کنا یا ت طلاق و امثا ل ذلک و برا ئے ر ضا در با ب معا ملا ت و تعیین لسا ن در با ب قر أۃ و انعقا د عقد و معا ملا ت و تعیین اعضاء ہفت گا نه در با ب سجود و امثال آ ں۔

و ازانجمله است تعیین ہیئا ت بو جہین مذ کو رین مثل استقبا ل قبله و ستر عورت و استواء قا مت و دست بستن در قیا م و سا ئر ہیئا ت مشروعه و از تعد یل ار کا ن و امثا ل آں در با ب صلوۃ و ہیئا ت ا حرا م و رمل و سعی بین ا لمیلین و تلبیه و ر می جمار و امثا ل آں در با ب حج و تقد یم جا نب یمین بر یسار در جمیع عبادات و عا دات و امثا ل از او ضا ع مسنو نه در سا ئر عبادات

و ازانجمله است تعیین مقد مات متقد مه خواه بطر یق لز و م با شد که آ نراشرو ط میگو یند خوا ہد بطر یق تکمیل که آ ن تمہیدا ت می نا مند مثل غسل یا و ضو یا تیمم برا ئے نماز عمو ما و برا ئے نماز جمعه و عید ین خصو صاً و برائے نماز جنازه و حمل میت و مسّ مصحف و قرأۃ قر آ ن و عقد ا حرا م بلکه برائے سا ئر عبادا ت و مثل تقدیم اذان و اقا مت و سنن رواتب و اذ کار مسنو نه قبل تکبیر تحریمه در با ب نماز و تقدیم تنظیف و تطہیر و تعطیر و تجد ید لباس و خطبه در نماز جمعه و تقدیم سحو ر در با ب صیام و تقدیم خِطبه و اذن ولی یا سید و حضور شہود در با ب نکاح و تقدیم سوم و اجا ز ت ولی یا سید یا ما لک یا مو کل مشتری در با ب معا ملا ت و تقد یم بسمله در سا ئر عبادات و عادات و تقدیم استخا ره و خطبه بر سا ئر امور عظا م و امثال آں از اموریکه برا ئے تو طیه امور دیگر مشروع است

و ازانجمله است تعین لوازم متا خره بو جہین مذ کو رین مثل تعین ا ذ کار مسنو نه بعد از سلا م و سنن روا تب متا خره و ملاز مت جلو س تا طلوع آ فتا ب در با ب صلوۃ و طوا ف وداع و التزا م مقا م ملتز م و تشبث باستار کعبه و تقبیل آستا نه آن و شر ب ماء زمز م و ر جعت قہقری و زیا ر ت مسجد نبوی و مسجد قبا در با ب حج و لزو م مہر و دعائے برکت و دعوت ولیمه و تعجیل قدرے از مہر در با ب نکا ح و لزو م عدت در با ب طلاق و لزو م قبض در ہبه و بیع الصرف و امثا ل آں از لوازم عبادات و معا ملات که بجہت تعیین شارع ثا بت گر دیده

و ازانجمله است تعین مصا رف اموا ل و محا ل افعا ل مثل تعین مصا رف ز کوۃ و نذور وکفا را ت و صدقه عید الفطر و در با ب صد قا ت و تعیین مو منا ت غیر محر ما ت در با ب نکا ح و تعیین اموال غیر محر مه لنفسہاء در با ب بیع و تعین اولی ا لا مر در با ب ا طاعت

و ازانجمله است تعیین مقا دیر مثل تعیین قلتین و عوراۃ وا جب الستر به نسبت ذکور و انا ث و مقدار زکوۃ و نصا ب آں و مقدار صدقه عید الفطر و فد یه و تعیین مسا وا ت در اموا ل ر بویه در صو ر ت تبا دل و امثا ل آں

و ازانجمله است تعیین الفا ظ خا صه در موا ضع مخصو صه مثل تعیین اذا ن و اقا مة برا ئے فرا ئض و استعا ذه و بسمله در با ب قر أت و تعیین قرأۃ قر آ ن در قیا م (و تعیین سورۃ فا تحه خصو صاً در جمیع رکعا ت و صو رے دیگر عمو ماً در رکعتین اولین از فرا ئض) (قوسین وا لی عبارت نسخه نمبر ۲ میں نہیں ہے ۔ بہا) و تعیین تسبیحا ت در رکو ع و سجود و تشہد در قعده اول و در ود ودعا در قعده ا خیره و تعیین ا ذکا ر مخصو صه قبل نماز و بعد آں و تعیین تلبیه در احرا م و تکبیرا ت در ایا م تشریق و تعیین صریح و کنا یه در با ب طلاق و تعیین الفا ظ ایجا ب و قبو ل در با ب نکا ح و سا ئر معا ملا ت و تعیین اسما ء الہی و صفا ت او تعا لی در با ب حلف و تعیین ادعیه مخصو صه در صبا ح و مسا ء و نو م و یقظه و در ا وقا ت نعمت و نقمت و در او قا ت حصو ل افرا ح و عرو ض احزا ن و ہجو م مصا ئب و امثا ل آ ن ۔ بالجمله در ہر سا نحه از سوا نح ر نج و را حت ذکرے خا ص یا دعا ئے مخصو ص تعیین فر موده اند

و ازانجمله است تعیین
صفت ا ذکا ر و اد عیه مثل تعیین جهر
در ا ذا ن و ا قا مت و قر أ ت صلوه
جهر یه و تلبیه و تکبیرا ت ار کا ن صلوة
و عید ین و تعیین سرّ در غیر موا ضع
مذ کوره لا سیما در دعاء

و ازانجمله است تعیین
اجناس برا ئے اموال در با ب زکو ة و ر
بوا و اجناس ار بعه از بها ئم مع تعیین
عمر مخصو ص و سلا مت از عیو ب
در با ب ا ضحیه

و ازانجمله است تعیین در با
ب لبا س و الوا ن مثل تعیین لبا س حر
یر و زیور زر و سیم و رنگ سر خ و زرد
برا ئے نسوا ن ۔

و ازانجمله است تعیین با ب
تشهیر و اعلا ن مثل تعیین فرا ئض
عبادا ت و صلوة جنازه و مقا تله کفار
و اقا مت حدو د و نکا ح باعلا ن و نوا
فل و عبادات و زیا رت قبو ر بسر و
کتما ن

و ازانجمله است تخصیص
بعضے افعا ل با جتما ع و بعضے با
نفراد مثل صلوة جمعه و عید ین و
صلوة خمسه و تراو یح و صلوة خسو
ف و کسو ف و استسقاء و صلوة
جنازه و حج و جهاد و نکا ح مشروع
است با جتما ع و نوا فل و غیر نوافل
مذ کوره و زیا رت قبور مشروع است با
نفراد

و ازانجمله است تعیین طر ق
جبر نقصا ن مثل تعیین قضاء فدیه و
مثل ہالک یا قیمت آ ن در صو رت تلف
مخصو ب یا اتلا ف ودیعت مثل دیت
نفس یا اعضاء در صو ر ت جنا یت
خطا و امثا ل آ ن

و ازانجمله است تعیین آ ثار و
ثمرا ت در ابوا ب عبادا ت یا معا ملا
ت یا جنا یا ت مثل فرا غ ذمه در دنیا
و استحقا ق اجر خا ص در عقبی در
ابوا ب عبادا ت و حلت تمتع و ثبو ت
نسب در ابوا ب نکا ح و لزو م عد ت
در باب طلاق و مثل ثبو ت ملکیت در
با ب بیع و لزو م حدود و تعزیرا ت و
کفا را ت در با ب جنا یا ت با لجمله
این و جو ه مذ کور و ا مثا ل آن از
تحدیدا ت شر عیه از ابوا ب تشریع
است که در کریمه
تلک حدود اللّٰه فلا تعتدوها و من
یّتعدّ حدود اللّٰه فاولئک هم الظّالمون
و در حد یث ۔ انّ اللّٰه حدّ
حدوده فلا تضیّعوها بآ ں اشاره رفته
و دریں مقا م با بے است نہا یت طو یل
ا لا ذیا ل و دقیق المآ خذ که جو لا ن
گا ه علما ئے ر بانین است و آن باب
حفظ مرا تب امور دینیه و رعا یت مدا
ر ج ا حکا م شر عیه است بیا نش آ
نکه چنا نچه ہر گا ہے که عا لم ر با نی
در امر ے از امور شر عیه که مر کب
از امور کثیره با شد تا مل نما ئد و دلا
ئل شر عیه متعلقه آ ں امر را در ذہن
خود جمع کند لا بد برو واضح میگر
دد که ہر چند جمیع امور مذ کوره در
نظر شا رع مستحسن و مر غو ب
است اما اہتما م او بعضے ازاں ازید ا
ست به نسبت بعضے دیگر مثلاً ہر
چند نماز بجمیع ار کا ن و ہیئا ت و
شرو ط خود مطلو ب است اما اہتما
میکه بارکا ن و شرو ط آن متعلق است
بغیر آن نیست و اہتما میکه بطهارت
متعلق است باستقبا ل قبله نیست
لہذا استقبا ل قبله در بعضے اوقا ت
سا قط میگر دد و بخلا ف طہارت و
اہتما میکه بقرا ء ة فا تحه متعلق
است بسو رہء دیگر نه و لہذا در
رکعتین ا خریین قر أة سوره سا قط
میگر دد و ہم چنین ہر گا ہے که عا لم
ر با نی که وسیع العلم و نظیف الذ
ہن باشد در مجمو ع سیرت رسو ل
اللّٰه ﷺ تا مل میفر ما ئد لا بد برا و وا
ضح میگر دد که ہر چند آنچه سیرت
مذ کور بر آں مشتمل است ہمه از
قبیل سنت نبو یه است مگر آ نکه ہر
فعل را ازاں مو قعی است در با ب
تعلق اہتما م آن جنا ب با وله دیگر
برا ز ۔۔۔ نه و این معنی بملاحظه قرا
ئن حا لیه و مقا لیه آں جنا ب لا ئح
میگر دد یعنی امتیاز در میا ن مہتم
بالشا ن و غیر مہتم بالشا ن و درمیا
ن اہم و مهم ذہن نشین او میشود و
آ نچه قا بل تعلیم و تر ویج است از آ
نچه بایں مر تبه نیست متمیز میگر دد
مثلاً اہتما میکه به تر میم و تعمیر مسا
جد و فرا ہم کر دن اسبا ب آ بادی آن
متعلق است بمقا بر نیست و آ نچه در
با ب اجتماع مسلمین در مسا جد از
قسم تا کید بر آ ن و تهد ید بر تر ک آ
ن و اظهار ر ضا مندی بو قو ع آ ں و
نا خو شی بفقدآں و بیان منا فع
تحقق آن و مضا ر عدم آں و امثا ل آن
از آ نچه بتر غیب و تر ہیب تعلق دارد
سعی و اہتما م با ید کر د و بز یا را ت
قبو رنبا یدکرد و آ نچه در با ب ایصا
ل منفعت بسو ئے میت از قسم تر
غیب و تر ہیب و تا کید و تشهیر و
ترویج و التزا م در مقد مه نماز جنازه
با ید کر د بد یگر ادعیه نبا ید کر د و
آ نچه بمطلق دعا با ید کر د و بتصدیق
عن المیت نباید کر د و آ نچه بتصدق
مذ کور با ید کر د ایصا ل ثوا ب عبادا
ت از نماز و روزه و تلا وت و ذکر نبا
ید کر د و آ نچه در با ب اقا مت جهاد
از قسم سعی جسما نی و نفسا نی
یعنی تر غیب و تا لیف و تد بیر و
صرف اوقا ت عز یزه در تمهیدا ت آن
و امثا ل آ ن از مسا عی بلیغه با ید کرد
در با ب تعلیم علو م غیر ضرور یه و
التزا م خلوا ت و ضبط اوقا ت با نوا ع
عبادا ت و ریا ضا ت و اذکار و مرا قبا
ت نبا ید کر د و آ نچه در با ب مزا ولت
اسلحه وسا ئر آ لا ت حر ب سعی و
کو شش با ید کر د در با ب جمع کتب
و بناء مدارس و خا نقا ہا ت نبا ید کر
د و آ نچه در با ب دعوت عوا م النا س
بسو ئے ظا ہر کتا ب و سنت سعی با
ید کر د در با ب دعوت دانشمندا نِ
فنو ن بسو ئے مسا ئل غریبه و قیا سیه
و مبا حث عمیقه کلا میه و اشارات
دقیقه صوفیه نبا ید کر د ۔

بالجمله ہر کسیکه بسیر ت
نبو یه و سنت قرو ن ثلا ثه مشهود لها
با لخیر مہا ر ت دا شته با شد این
معنی مراد پوشیده نخوا ہد ما ند ۔ حا
صل کلا م آ نکه مبا حث تشریعی با و
جود کثر ت شعب و تعین و جوه
بهمین دو با ب را جع میشود با ب
تحدیدات و با ب حفظ مرا تب امور
ملت ۔ پس از کلمه ما مو صو له که
در حد یث مذ کور وا قع گر دیده
همین معنی مراد است پس معنی حد
یث مذ کور بریں تقدیر چنیں باشد که
ہر که احد ث کند در امر دین چیزے
را از قسم تجدیدا ت یا بتغیر موقع

امر ے از امور دین پس آں چیز رواست پس خلا صه مفهو م بدعت و صفیه چنیں باشد که ہر تحدید که در امر ے از امور دین محد ث باشد یا ہر تغیر موقعے که برا ں امر ے از امور دین محد ث با شد و صا حبش آں خصو صیت را مدار اعتبار آں امر دین در نظر شا رع دا نسته یا متعلق استحسا ن شر عی شمرد ہ بعمل آرد یا آں خصو صیت را مبطل اصل عمل قرار داده یا سبب سقو ط آں اصل از مر تبه از مرا تب قبو ل فهمیده از آں اجتناب درزد پس ہماں را بدعت و صفیه میگو ید ۔ مخفی نما ند که از ملا حظه تعریف ہر دو قسم بدعت چنا ں ظا ہر میگر دد که ا صلِ مدار مطلق بدعت بر عقیده است یعنی ہر چیزے را که عند الله نا فع نیست نا فع پندا رند یا آں چیز را که مضر نیست مضر پندا رند و ایں را بدعت حقیقیه با ید فهمید و دریں مقا م قسمے دیگر است از بدعت که آ نرا بدعت حکمیه میگو ئم بیا نش آنکه چیز ے از محد ثا ت با شد و صا حب او ہر چند اعتقا د منفعت و مضر ت او نداشته با شد اما باو ہماں معا مله کند که با امور نا فعه یا ضارة و شر عیه با ید کر د مثلاً چنا نکه در محا فظت خصو صیت روز اضحی در با ب اضحیه با و جود امکا ن آ ن در یو مین لا حقین بنا بر ادرا ک فضیلت سعی با ید کر د که باو جود گرا نی قیمت بسبب و فور رغبت و تعسر حصو ل بسبب قلت و قلت فر صت بسبب اشتغا ل با دا ئی صلوة عید و آدا ب آ ن وکثرة اشتغا ل بسبب ملا قا ت ا قر باء و احباء و قلت منفعت گو شت اضحیه به نسبت محتا جین بسبب و فور آں درا ں روز با لجمله عوائق و موا نع خصو صیت روز مذ کور را از دست نیا بد داد ہم چنیں تخصیص روز و فات در با ب تصدق عن المیت که باو جود تحقیق تنگ دستی در آں ایا م یا ہجو م امرا ض یا سنو ح سفر یا عرو ض مو سم بر شگا ل یا امثال آں از موا نع و عوا ئق خصو صیت روز مذ کور را از دست ند ہند بلکه معا مله مدا ہنت بعمل آ رند و باز دیا د مر ض بسبب اشتغا ل در سر انجا م دادن آ ن التفا ت ننما نید و تا خیر سفر رودارند و ر نج فرا ہم کر دن سا ما ن بر شگا ل که محافظت طعا م مذ کور بان توا ند شد بر خود گوارا کنند و تلطف ثیا ب در گل و لار دادرند و تخلل اوقا ت تعلم و تعلیم احکا م دین و فقدا ن اطمینا ن در عبادات و فوت جما عا ت قبو ل کنند و بفو ت خصو صیة مذ کوره را ضی نه شو ند اگر چه فضیلت یو م مذ کور بر سا ئر ایا م اعتقا د ندا شته با شند چنا نکه زن بیوه با و جود کثر ت شبق و شد ت افلا س بسبب مو ت زو ج که متکفل حوا ئج بشریه او بود با وجود عرو ض و حشت و حدت بمفا ر قت مو نس خود از زنا اجتنا ب مے نما ید و ایں اجتنا ب در مدا ئح او شمر ده میشود و در مقا م ا ثبا ت عفت او ذکر کرده میشود ہم چنیں با و جود امور مذکوره از نکا ح ثا نی احترا ز نما ید یا ایں احترا ز را از مدا ئح او شمر ده شود یا در مقا م اثبا ت کما ل عفت او ذکر کرده شود اگر چه بقبح نکا ح ثا نی اعتقا د ندا شته با شد و چنا نکه در مقد مه عقد نکا ح حضور شهو د و ا ذن ولی را از شرائط صحت او میشمارند چنا نکه عقد مذ کور را بر آں مو قو ف میدا رند اگر چه در تا خیر آ ں انوا ع مضرا ت محتمل الو قو ع با شد ہم چناں عقد مذ کور را بر استطا عت جهیز یا ولیمه مو قو ف دار ند که و جود احتما ل فقدا ن کفو یا فو ت اولیاء یا غیبو بت ایشان در سفر برا ن اقدا م ننما یند یا برا ئے سر انجا م کر دن جهیز یا و لیمه معا مله مدا ہنت با و جود اشتما ل آن بر مضرات معا ش و معاد مثل لحو ق افلاس و لزو م ربوا بعمل آرند یا قبا حت سوا ل حا لی یا قا لی را بر خو د گوارا کنند و از رسم مذ کور دست بر دار نشوند گو که بو جو ب آں اعتقا د ندا شته با شند۔

بالجمله ایں قسم بدعا ت را بدعت حکمیه و عملیه میگو ئم پس مفهو م مطلق بدعت چنیں با شد که ہر امر ے از امور مذ کوره در بحث او ل یا ثا نی که محد ث با شد و صا حبش آ نرا از امور دین قرار داده بعمل آ رد یا با و معا مله امور دینیه نما ید پس ہماں چیز بدعت است و چو ں مفهوم بدعت منقح گر دید پس با ید دانست که دریں مقا م چند فوائد نا فع است که آ نرا در ضمن چند مسا ئل ذکر با ید کر د

فا ئده اولی ۔ در بیا ن آ نچه در بدعت حقیقیه دا خل است و آ ن مشتمل بر چند مسا ئل است:

مسئله او لی با ید دا نست که مسئله و حد ة و جود و شهود و مبحث تنز لا ت خمسه و صادر اول و تجدد امثا ل و کمو ن و بروز و امثا ل آں از مبا حث تصو ف و ہم چنیں مسئله تجر د وا جب و بسا طت او تعا لی بحسب ذہن یعنی(تنز یه او تعا لی) (یه الفاظ نسخه نمبر ٢ میں نہیں ہیں ۔ بهاء) از زما ن و مکا ن و جهت و ما ہیت و تر کیب عقلی و مبحث عینیه و زیادة صفات و تا ویل متشا بها ت و اثبا ت رو یت بلا جهت و محا ذا ت و وا ثبا ت جو ہر فر د و ابطا ل ہیو لی و صورت و نفو س و عقول یا بالعکس و کلام در مسئله تقدیر و کلا م و قو ل بصدور عا لم بر سبیل ایجا ب و اثبا ت قدم عا لم و امثا ل آں از مبا حث فن کلا م و الهیا ت و فلا سفه ہم از قبیل بدعا ت حقیقیه است ۔ اگر صا حب آ ن اعتقا دا ت مذ کوره را از جنس عقا ید دینیه میشما رد و الا دریں جز و زما ن در بدعا ت حکمیه البته مند ر ج است چه سعی در ادرا ک حقیقت آ ن و اہتما م بتنقیح آن و معدود شد ن صاحب آں در زمره علماء دین و حکماء ر با نیین و تمد ح بآ ں در مقام ذکر کما لات دینیه در عر ف عوا م بلکه در کلام خوا ص ہم ادا ئر و سا ئر است

